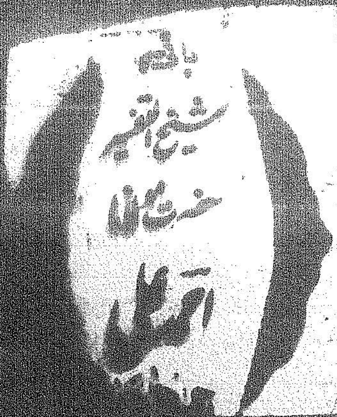
خدام الدین



فتنوں کے بادشاہ

طبرانیؒ اور حاکمؒ سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ایسے ایسے بادشاہ ہوں گے جن کے دروازوں پر فتنے اس طرح جمع ہوں گے جیسے اونٹ بٹھانے کے مقامات ہوتے ہیں وہ کسی شخص کو کچھ نہیں دیں گے مگر اس سے اس کے عوض اتنا ہی دین نکال لیں گے۔

(جامع الصغیر ۲ صفحہ ۱ ...)

28-01-66

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قربِ قیامت اور اپنی فکر

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
إن بین یدی الساعة فتنا کقطع
اللیل المظلم یصبح الرجل فیها مؤمنا ویمسی
کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا القاعد
فیها خیر من القائم والماشی فیها خیر من
الساعی فکسروا فیها قسیکم وقطعوا فیها
اوتارکم واضربوا سیوفکم بالحجارة فإن
دخل علی احد منکم فلیکن کخیر ابنی آدم۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے نزدیک اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح کالا سیاہ فتنے آئیں گے۔ آدمی صبح کو ایمان والا ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو ایمان والا ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا۔ ان میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے بہتر ہے اور آہستہ چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ ایسے حال میں تم اپنی کمانوں کو توڑ کر ان کے تانت ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اپنی تلواروں کو پتھر پر دے مارو اور جب کوئی کسی کے گھر ہی میں گھس آئے تو گھر والے کو آدم کے دونوں بیٹوں میں سے اچھے بیٹے کی طرح ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے قریب فتنوں کے سیاہ بادل فضا پر چھا جائیں گے۔ آدمی کا ایمان ڈانواں ڈول ہو جائے گا وہ کبھی ایمان لائے گا کبھی کفر کرے گا۔ ایسے ماحول میں چلنے پھرنے والے سے بیٹھ جانے والا اور بھاگ دوڑ کرنے والے سے آہستہ قدم سے چلنے والا غنیمت شمار ہوگا۔ کیونکہ ہر حرکت مصیبت کا باعث ہوگی۔ اس لیے جتنی حرکت کم ہو اتنا ہی اچھا۔ ایسے موقع پر لڑنے بھڑنے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اپنے ہتھیار توڑ پھوڑ ڈالنا اور گھر میں گھس کر بیٹھ جانا۔ اگر کوئی دروازہ توڑ کر تمہارے گھر میں مارنے کے ارادے سے گھس آئے تو تم اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو ہابیل نے قابیل کے ساتھ کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ بھائی! تو مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے تو تو جان! میں تو تجھے قتل کرنے کا ارادہ بھی نہ کروں گا۔ اس پر بھی اگر مخالف مارنے پر ہی تلا ہے تو مظلوم بن کر جان دے دینا، لیکن لڑنا مت۔ اللہ اللہ! کیا ایسے موقع پر اس سے زیادہ اچھا کوئی طرزِ عمل ہو سکتا ہے؟ جو آدمی یقین رکھتا ہے کہ میں نے دوسرے کے ستانے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اس پر بھی دوسرا اسے مارنے کے لیے پیچھے آتا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے سوائے اس کے کہ اسے سمجھا دے کہ بھائی! میرا کوئی قصور نہیں، میں نے تیرے ستانے کا کبھی بھی ارادہ نہیں کیا۔ اگر تو مجھے ناحق مارتا ہے تو تجھے دوہرا گناہ ہوگا۔ میرے صبر کا وبال بھی تجھ پر پڑے گا اور اپنے ظلم کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی۔

اللہ کی پناہ!

یہ زمانہ کیسا خطرناک ہوگا کہ کفر و ایمان کی تمیز نہ رہے گی کوئی قابلِ اعتماد نہ رہے گا۔ ایسے حال میں بڑا کام یہی ہوگا کہ

انسان اپنی فکر کرے

اور

اپنے ایمان کو بچائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

جلد نمبر ۲۲ —— شمارہ نمبر ۳۱

جاری کردہ
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

رئیس التحریر
مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر
محمد سعید الرحمن علوی

ادارہ تحریر
مولانا محمد اجمل
زاہد الراشدی
ملک محمد صفدر

بدل اشتراک

سالانہ	۴۰
ششماہی	۲۰
سہ ماہی	۱۰
فی پرچہ	ایک روپیہ

اہلِ وطن

ملک کی حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والی جماعتوں کا اتحاد ہو چکا، اس پر ہم اپنی گذارشات بھی پیش کر چکے —— یقین کریں کہ یہ عظیم کارنامہ ہے اور اس دور کی سب سے بڑی کامیابی!

آج ہم اپنے ملک کے عوام سے کچھ گذارشات کرنا چاہتے ہیں، محض جذبہ خیر خواہی کے پیش نظر۔

پیارے عوام! مارچ میں جو انتخابات ہوں گے اس میں مقابلہ یوں ہوگا کہ ایک طرف پاکستان پیپلز پارٹی ہوگی اور دوسری طرف قومی اتحاد۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا ماضی و حال آپ کے سامنے ہے اور ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ پارٹی نام ہے جناب بھٹو صاحب کی شخصیت، ان کی سوچ اور ان کی فکر کا۔

وہی بھٹو صاحب جو سکندر مرزا کے دور میں امریکہ میں تدریس کا شغل چھوڑ کر یہاں آئے اور پھر مارشل لار کے بعد ایوب خان کی کابینہ میں بھی شریک ہو گئے۔ مدتوں ایوب خان کے رفیق سفر رہے اور بہت ہی اہم! ان کی شہرت کا عام چرچا ۱۹۶۵ء کی جنگ کے موقع پر یو، این، او میں ان کی تقریر سے ہوا۔ جہاں انہوں نے ایک انتہائی جذباتی تقریر کی، روئے اور رُلایا۔ یہ جذبات تاشقند میں پہنچتے پہنچتے دوسرا رُخ اختیار کر گئے (تاشقند کا مسئلہ ہنوز ایک راز ہے اور اس کو ابھی تک راز رکھتے ہیں جو لوگ شریک ہیں۔ ان میں بھٹو صاحب بھی شامل ہیں۔ انہوں نے ہزار وعدوں کے باوجود "تاشقند کی حقیقت" قوم کو نہیں بتائی) وہ ایوب سے علیحدہ ہو گئے یا . . . . ایک عبوری دور کے بعد نیا روپ دھار کر وہ سامنے آئے۔ اس روپ کا عنوان "پیپلز پارٹی" تھا۔

ایوبی دور کے آخر میں ملک کی سیاسی پارٹیوں کے محاذ سے ایوب خان کی گفت و شنید کو سبوتاژ کرنے میں جن لوگوں نے مؤثر کردار ادا کیا ان میں بھاشانی صاحب اور بھٹو صاحب کا نام سرفہرست ہے۔ اس گول میز کانفرنس

کا ناکام ہو یحییٰ خاں کے مارشل لاء پر منتج ہوئی۔ یحییٰ خاں میں ہزار خرابیاں ہوں گی لیکن اس نے سنہ میں الیکشن کرا کر بہرحال اپنا ایک امیج بنایا۔ لیکن وہ ایک سنہ کے حادثہ کی نذر ہوگیا۔ اور بد قسمتی سے سنہ کے انتخابی نتائج کے مطابق ملک کی گاڑی آگے نہ بڑھ سکی۔

سنہ کے انتخابی نتائج پر کیوں عمل نہ ہوا، حالات کیوں بگڑے، جن کے نتیجہ میں ملک دولخت ہوا۔

یہ داستان بھی ہنوز راز ہے۔ اے کاش کہ حمود الرحمٰن کمشن کی رپورٹ سامنے آجاتی۔ یحییٰ خاں پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جاتا تو یہ راز راز نہ رہتا لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بہرحال اس حادثہ کے سلسلہ میں چند باتیں واضح ہیں جن سے کسی نتیجہ پر پہنچنا ممکن ہے:۔

- ڈھاکہ کے اسمبلی سیشن کا بھٹو صاحب نے بائیکاٹ کیا۔
- وہاں جانے والوں کے خلاف سخت سست زبان استعمال کی۔ تشدد کی دھمکی دی۔
- اسمبلی سے باہر ہی آئینی مسائل کے سلسلہ میں سمجھوتہ پر زور دیا۔ جس کے لیے کوئی وجہ جواز نہ تھی۔
- دو اسمبلیوں، دو وزرائے اعظم جیسی باتیں کہیں جس میں ہزاروں قسم کے خطرات پنہاں تھے۔
- یو۔ این۔ او میں پولینڈ کی وہ قرارداد جس کا مقصد سابقہ مشرقی پاکستان کے حقیقی نمائندوں سے مفاہمت کرنا تھا کو نظر انداز کرکے، بلکہ پھاڑ کر کسی بالغ نظری کا ثبوت نہ دیا۔
- واپس تشریف لاتے تو "یحییٰ خاں" سے اقتدار کا چارج لے کر ایک نئی روایت کی بنیاد ڈالی۔
- ایک عرصہ تک "مارشل لاء" کو سینہ سے لگائے رکھا۔
- ہنگامی حالات کا نفاذ اب تک ملک میں ہے۔ عدلیہ کا دائرہ تنگ کرکے سپیشل عدالتوں کا قیام ڈی۔ پی۔ آر اور دفعہ ۱۴۴ کا تسلسل کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔
- مولانا شمس الدین شہید، ڈاکٹر نذیر احمد، عبد الصمد اچکزئی، خواجہ محمد رفیق، سید منیر احمد شہید جیسے رہنماؤں اور کارکنوں کا قتل ان کے دور کا معمول رہا۔ اور کسی ایک واقعہ کے قاتلوں کا بھی علم نہ ہو سکا۔
- لاتعداد رہنماؤں اور کارکنوں کو جیل میں ٹھونسا، جن میں متعدد اب بھی جیل میں ہیں یہ انہی کے دور کی بات ہے۔
- سرحد و بلوچستان کی باقاعدہ حکومتیں جس طرح ختم کی گئیں اور پھر وہاں اپنی من مرضی کی حکومتیں بنائی گئیں۔ وہ بھی انہی کے دور کی بات ہے۔ بلوچستان فوج کی زد میں ہے۔ جس سے مجبور ہو کر "قومی اتحاد" نے وہاں الیکشن کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔
- اپنے متعدد رفقاء کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ ان کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ اور جب ساتھ چھوڑا تو انہیں مشکلات کا شکار ہونا پڑا اور اب تک ہیں۔
- نیشنل پریس ٹرسٹ نہ صرف باقی رہا بلکہ اسے مستحکم کیا اور تمام ذرائع ابلاغ بھی سرکار الاٹ ہوگئے!
- جماعتی دوروں پر بے پناہ ملکی سرمایہ خرچ کرنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔
- مارکیٹ میں اشیائے صرف کی کمیابی اور بعض چیزوں کی نایابی نیز بے پناہ مہنگائی وغیرہ مسائل واضح ہیں۔
- قومیائی گئی صنعتوں اور کارخانوں وغیرہ کی ناگفتہ بہ حالت ہر کسی کو معلوم ہے۔
- خارجہ پالیسی کی "کامیابی" کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ ایٹمی پلانٹ نہیں مل رہا۔

الغرض

ایک بات ہو تو ذکر کریں، یہاں تو ؎

"تن ہمہ داغ داغ شد"

والی بات ہے ـــــــ ایسے میں ملک کے عوام کو سوچنا ہوگا اور سوچ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔

قومی اتحاد میں شامل جماعتیں اور ان کے رہنماؤں کا کردار سب پر واضح ہے۔ انسان ہونے کے اعتبار سے ان لوگوں میں کمزوریاں ہوں گی لیکن بہ حیثیت مجموعی ان

حضرات کا کردار بالکل واضح ہے۔ ملک کی وحدت کو قائم رکھنے، مارشل لا کو ختم کرانے، آئین کی تدوین، ظلم و تشدد کا مقابلہ وغیرہ جیسے مسائل ہیں ان لوگوں کا کردار بڑا واضح اور روشن ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ اندھیروں میں روشنی کی کرن ہیں، ان کے ساتھ تعاون حق و انصاف کے ساتھ تعاون ہے۔ انہیں کو ووٹ دے کر منتخب کرنا ایک مخلص قیادت کا انتخاب ہے۔ اور ان کی کامیابی ملک میں "اسلامی نظام عدل" کے نفاذ و برپا ہونے کی ضمانت ہے۔

اے اہل وطن! حکمرانوں کا "آئینہ" آپ کے سامنے ہے۔ اس آئینہ میں آپ حکمرانوں کو دیکھ سکتے ہیں، پرکھ سکتے ہیں، دیکھ کر، پرکھ کر صحیح فیصلہ کا دار و مدار آپ پر ہے۔ خدا کرے کہ آپ صحیح فیصلہ کر پائیں۔

علوی ۱۹ جنوری ۷۷

یہ ابتداء ہے

وزیر اعظم بھٹو بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ کچھ اور لوگ بھی سندھ میں بلا مقابلہ منتخب ہوئے جن کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے۔ لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ حقیقتاً ایسا ہوا ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ لاڑکانہ (وزیر اعظم کا آبائی ضلع) میں وزیر اعظم کے علاوہ ممتاز بھٹو اور یوسف چانڈیو امیدوار تھے۔ ان کے بالمقابل جمعیۃ علماء اسلام کے ۲ اور جماعت اسلامی کا ایک نمائندہ تھا ان تینوں نمائندوں کو گرفتار کر لیا گیا اور متعدد کارکن بھی گرفتار ہو گئے کسی کو اس طرف جانے ہی نہ دیا گیا جہاں کاغذات داخل کرائے جا رہے تھے۔

اسی طرح کندکوٹ کے حلقہ میں جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لینے والے امیدوار اپنے مجوز و موید سمیت اغوا کر لیے گئے۔ وہاں ہمارے ایک ورکر سے بہت سی رقم بھی چھین لی گئی۔ جیکب آباد کے ایک حلقہ میں مجوز و موید اغوا کر لیے گئے۔ سکھر کے ایک حلقہ کے امیدوار گرفتار کر لیے گئے وغیرہ ذالک۔

تو اہل وطن! یہ ہے انتخاب کی ابتداء — وہ انتخاب جس کے لیے وعدے ہیں کہ آزادانہ ہو گا۔ اس لیے ہم آپ کو توجہ دلائیں گے کہ ادارتی کالموں میں ہماری معروضات ایک بار پھر پڑھیں اور سوچیں کہ نگران حکومت کی موجودگی میں بھٹو صاحب اور ان کے حواری یہ کچھ کر رہے ہیں تو خدانخواستہ جب آپ کے ووٹ سے وہ بر سر اقتدار آ گئے تو پھر کیا کریں گے؟

اس لیے پوری جرأت اور دلیری سے ظلم و تشدد کی ان آہنی دیواروں کو توڑ کر اپنا وزن قومی اتحاد پاکستان کے پلڑے میں ڈال دیں۔

اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

مساوات

قارئین جانتے ہیں۔ بھٹو صاحب نے "مساوات" نامی ایک اخبار کا اہتمام کیا۔ محمد حنیف رامے صاحب کرتا دھرتا تھے۔ وہ اقتدار کی منزل تک پہنچے تو دوسرے لوگ مساوات کے ذمہ دار قرار پائے۔ رامے صاحب نے جب معلوم کر لیا کہ معاملہ دگرگوں ہے تو علیحدہ ہو کر خم ٹھونک کر سامنے آ گئے۔ اب جیل میں ہیں اور ڈٹ کر — بات مساوات کی ہو رہی تھی۔ بہت دنوں سے ہمیں خبریں معلوم ہو رہی تھیں کہ وہاں "دال میں کالا کالا" ہے۔ آج لاہور کی دیواروں پر اشتہار نظر آئے۔ عنوان تھا "آخری اپیل"۔ مساوات کے ورکر ایک عرصہ سے بقول ان کے حبس جبر، ظلم و تشدد کا شکار ہیں۔ اس کے سلسلہ میں "آخری اپیل" قدِ آدم اشتہار کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ لکھا ہے کہ مقدمہ عوام کے سامنے لایا جائے گا کہ مجبوری ہے۔

اس اپیل میں دو ماہ قبل اپنے ۱۳ ساتھیوں کو نکالے جانے کا رونا ہے۔ سکریٹری کو بھونڈے الزامات کے نکالنے کا مسئلہ ہے — آخر میں لکھا ہے:

"ہم اس زہر آلود فضا میں جلنے پر مرنے کو ترجیح دیں گے"

کتنی سخت وارننگ ہے مساوات کے کارکنوں کی طرف سے — وہ مساوات جو بھٹو صاحب کا ہے

(باقی ۲۲ پر)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

مجلسِ ذکر اور ارشاداتِ قرآن و سنّت

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از حمد و الصلوٰۃ :

یہ محفل خیر و برکت جو "مجلس ذکر" کے نام سے موسوم ہے۔ ہمارا معمول چلی آرہی ہے بعض احباب نہ معلوم کن وجوہات کی بناء پر اس کی مخالفت کرتے ہیں ؟ حالانکہ ہمارا مقصد محض یہی ہوتا ہے کہ "نام حق" دل میں جم جائے اور نام الہیٰ کی برکت سے خیر و سعادت حاصل ہو جائے۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ معاشرہ میں ہر طرف فساد، شرارت، گناہ اور جرائم کا دور دورہ ہے۔ اس پر کسی کی طبع نازک کبیدہ نہیں ہوتی لیکن یادِ خداوندی کے لیے اس مجلس پر اعتراضات ہوتے ہیں۔ بہرحال آج ایک آیت کریمہ اور ایک ارشادِ نبوت عرض کرتا ہوں۔ اس سے آپ کو اجتماعی ذکر جسے مجلس ذکر ہی کہنا چاہیے کے متعلق آپ کو معلومات حاصل ہو جائیں گی۔

سورۂ کہف کی آیت کریمہ ہے :

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الآ

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :

"اور روکے رکھ اپنے آپ کو اُن کے ساتھ
جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام ،
طالب ہیں اس کی رضا کے اور نہ دوڑیں
تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی
دنیا کی۔"

اس آیت میں جو بات واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ "اجتماعی ذکر" کا مفہوم ہے۔ جسے مجلس ذکر کا نام دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے :

عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ اَهْلِ الذِّكْرِ۔ یعنی اہل ذکر کی مجالس کو لازم پکڑو۔

یہ ارشادِ نبوت اتنا واضح ہے کہ اس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں اور مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالےٰ نے شاید اسی حدیث کی روشنی میں اس کا نام مجلس ذکر رکھا۔ بات تو بالکل واضح ہے کہ ایک ایک ہے اور دو دو اور جب دو ہوتے ہیں تو ایک کی برکت سے دوسرے کا کام بھی بن جاتا ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ایک مقبول بندہ کی نماز کے صدقہ اللہ تعالےٰ کئی کی نماز قبول فرما لیتے ہیں۔ اس کی تائید میں حدیث کا یہ ارشاد بڑا واضح ہے۔ جس میں آتا ہے کہ

"خدا کے فرشتے مجالس ذکر و خیر کی تلاش میں پھرتے ہیں اور جب پا لیتے ہیں تو وہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ختم ہونے پر اللہ کے حضور تشریف لے جاتے ہیں تو ساری کیفیت عرض کرتے ہیں۔ ——— آخر میں ہے کہ اللہ تعالےٰ جب سب کی بخشش کا ارشاد فرماتے ہیں تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو اس مجلس کی غرض سے نہ آئے تھے کوئی دوسری ضرورت انہیں لائی لیکن وہ رُک گئے اور انہیں مجبوراً رکنا پڑا۔ تب خداوند قدوس ارشاد فرماتے ہیں کہ جو اس نیت سے آئے ان کے صدقہ دوسروں کو بھی معاف کر دیا گیا۔"

(باقی ۱۲ پر)

خطبہ جمعہ

سچ اور سچوں کی رفاقت

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

ضبط و ترتیب: علوی

بعد از خطبہ مسنونہ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ (صدق اللہ العظیم)

محترم بزرگو، عزیز دوستو! قرآن کریم کی ایک آیت سورۂ توبہ کے پندرھویں رکوع سے تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو سچوں کے ساتھ۔" (شیخ الہندؒ قدس سرہٗ)

پس منظر

اس آیت کریمہ سے قبل جنگ تبوک کے حالات بیان کرتے ہوئے ان تین حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی توبہ قبول ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جن کے اسمائے گرامی حضرت کعب بن مالک، حضرت ھلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ غزوہ بڑے کٹھن حالات میں پیش آیا۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ اس وقت کی سب سے بڑی دو حکومتوں میں سے ایک حکومت "روم" کی طرف سے مقابلہ دوسری طرف انتہائی سخت اور گرم موسم، مسلمان وسائل سے تہی دامن، لیکن صحابہ کرام علیہم الرضوان کا جذبہ ایثار و قربانی کام آیا۔ اور مسلمان کمال جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چل پڑے۔

دو طبقے

البتہ دو قسم کے لوگ اس میں نہ گئے، ایک تو منافقین جن کا ہمیشہ کا وطیرہ یہی تھا کہ مشکل کی گھڑی میں بھاگ جانا اور جب ذرا آسانی کی صورت نظر آتی تو پھر ایمان کا دعویٰ کر کے سامنے آ جانا۔ ان کا تو مسئلہ ہی اور ہے خدا نے قرآن میں ان لوگوں کا جا بجا ذکر کیا، ان کے اعمال قبیحہ، بدکاری، مکر و فریب اور شرارت و دغا کو ہر جگہ بیان فرمایا۔

دوسری قسم کے وہ لوگ تھے جو مخلص مسلمان اور اکل کھرے صحابی تھے۔ وہ یہی تین حضرات تھے جن کا میں نے نام لیا۔ یہ حضرات خدانخواستہ کسی بدنیتی کی بنا پر نہیں، محض حادثاتی طور پر رہ گئے اور شریک نہ ہو سکے۔

نبی کریمؐ کی واپسی اور ان کا طرزِ عمل

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو منافقین نے تو حسب روایت جھوٹ اور مکر و فریب کا سہارا لے کر اپنے آپ کو بچا لیا، گو کہ ان کا جھوٹ ایسا نہیں تھا جس سے نبی واقف نہ ہو، ان کی ہر شرارت سے خدا اپنے نبی کو آگاہ کر دیتا۔ لیکن یہ تین حضرات باوجود کہ قادر الکلام تھے۔ انہوں نے محض اس وجہ سے کہ جھوٹ بولنا تقاضائے ایمان کے خلاف تھا اور جھوٹ پر اللہ کا نبی مطلع بھی ہو جائے گا اور اس سے نقصان ہی نقصان ہے ۔۔۔ جھوٹ سے گریز کیا اور سچ سچ بتلا دیا کہ ہمارا پیچھے رہ جانا اور اس سعادت سے محرومی کسی غلط خیال و نیت کے پیش نظر نہیں محض حادثہ تھا۔ اور اب جو حکم ہوگا اس کی تعمیل میں ہم سعادت سمجھیں گے۔

قصہ لمبا ہے ان حضرات سے بائیکاٹ کا حکم ہوا

ابتلاء و آزمائش کا سخت ترین دور آیا لیکن ان کی صداقت شعاری بالآخر کام آئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان کی توبہ کے قبول ہونے کا اعلان کیا۔

اہلِ صداقت کا دورِ ابتلاء

ان اہل صداقت کو جس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ان پر اللہ کے ارشاد سے بڑھ کر کوئی چیز روشنی نہیں ڈال سکتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

"یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے مہربان رحم والا۔" (حضرت شیخ الہندؒ)

قرآن کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ دورِ ابتلا اتنا سخت تھا کہ زمین تنگ محسوس ہوتی۔ اپنی جان کھانے کو آتی لیکن دربارِ خداوندی میں آہ و زاری اس حادثاتی اور اتفاقی چوک پر معافی اور صدق و راستی کو شعار بنانے کے نتیجہ میں اسی کی مہربانی کام آئی جو ہر غمخوار اور پریشان حال کی پریشانی دُور کرنے والا ہے اس نے معافی کا اعلان کرکے اور اپنی آخری وحی میں انہیں زندہ جاوید بنا ڈالا۔

اور ساتھ ہی فرمایا

اے مدعیانِ ایمان و یقین ہر حال میں اللہ کے خوف و ڈر سے کام لو اور اہل صداقت کا ساتھ دو

کیوں

اس لیے کہ ممکن ہے سچ و راستی کی پالیسی اپنانے سے تمہیں دکھ اور ابتلا سے دوچار ہونا پڑے۔ لیکن بالآخر جن انعاماتِ ربانی سے نوازا جائے گا اس کا تصور بھی محال ہے۔

حکیم امت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے فرزند سعادت مند شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"یہ تین شخص سچ کہنے سے بچ گئے نہیں تو منافقوں میں سے ہوتے۔"

یعنی ان کے سچ نے انہیں بچایا اور خدا نے معاف کیا ورنہ یہ بھی جھوٹ بول کر وقتی ابتلاء سے تو بچ جاتے لیکن دائمی نقصان کے مستحق ہو جاتے اور ان کا نام بھی (خدا نہ کرے) منافقین کی فہرست میں لکھا جاتا۔

حضرت مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں :۔

"یعنی سچوں کی صحبت رکھو، اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھ لو یہ تین شخص سچ کی بدولت بخشے گئے اور مقبول ٹھہرے۔ منافقین نے جھوٹ بولا اور خدا کا ڈر دل سے نکال دیا تو "درک اسفل" کے مستحق بنے!

موازنہ

آپ حضرات ذرا موازنہ کریں منافقین وقتی طور پر بچ گئے لیکن انجام؟ توبہ بھلی اور مومنین صادقین وقتی ابتلاء کا شکار ہو گئے لیکن "تین سچوں" کا عنوان وحی کا حصہ بن کر رہ گیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ خدا کے مقبول و محبوب قرار پائے۔

سچ اور ارشاداتِ نبوی

سچائی اور صداقت کے متعلق اللہ کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ سچائی نجات کا باعث ہے اور جھوٹ ہلاکت و بربادی کا۔"

اس کے علاوہ بھی ذخیرہ احادیث میں اس سلسلہ میں بہت کچھ موجود ہے لیکن عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے۔ اور وہ اتنے ہی سے بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

اور آج

بدقسمتی سے آج یہ حالت ہے کہ سچائی من حیث المجموع معاشرہ سے غائب ہو گئی وہ مسلمان جو جان پر کھیل جانا

گزارا کر لیتا تھا لیکن جھوٹ سے دامن بچاتا آج انتہائی غلط راہ پر چل پڑا ہے کہ اسے جھوٹ سے ہی پیار ہے۔ اور سچائی سے ذرا واسطہ نہیں۔ بلکہ جھوٹ کو اللہ کے نبی نے منافقت کی نشانی اور باعث ہلاکت قرار دیا۔ لیکن آج جھوٹ فیشن ہے اور اس پر شرم وندامت محسوس ہی نہیں ہوتی بلکہ جھوٹ بول کر کام چلانا اور اپنے مقاصد و اغراض کو پورا کرنے کو بڑا فخر سمجھا جاتا ہے۔

خدا کا خوف

رہ گیا خدا کا خوف جس کا آیت کے پہلے حصہ میں ذکر ہے۔ تو آج کے مسلم معاشرہ کی عظیم اکثریت بدقسمتی سے اس سے عاری ہے۔ اور یہی دراصل تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ جب آدمی اپنے پیدا کرنے والے سے نہیں ڈرے گا' محاسبہ آخرت سے بے پروا ہو جائے گا۔ مالک یوم الدین کی عدالت سے بے نیاز ہو جائے گا تو پھر دنیا کی کون سی طاقت ہے جو اسے گناہوں سے بچائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے لیے گناہوں سے بچنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

تقویٰ اور ارشادِ رسالت

اللہ کے نبی نے تقویٰ کو "ملاک الحسنات" قرار دیا یعنی نیکیوں اور بھلائیوں کا خزانہ اور جاگیر۔ لیکن آہ کہ آج ہمیں ہر چیز کا ڈر ہے نہیں تو اس کا نہیں جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے ؎

خوف غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے وہاں خوف خدا اور سہی

مولانا محمد علی جوہر مرحوم کا شعر ہے اور بڑا پُر معنی۔ جب دنیا میں ہر چیز سے ڈرتے ہو تو دنیا کے پیدا کرنے والے سے بھی ڈر لو تو کیا حرج ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنے سایہ سے بھی ڈر تب ہی پیدا ہوتا ہے جب خدا کے ڈر سے محرومی ہو جائے اور جب اس خالق ارض وسما اور مالک یوم جزا کا ڈر ہو تو پھر باقی ڈر ختم ہو جاتے ہیں۔

معیت اہل صداقت

آیت کریمہ میں اہل صداقت کی معیت کا حکم ہے کونوا مع الصادقین جب سچے صداقت شعاری کے سبب کامیاب ہو گئے اور مستحق فوز وفلاح ہو گئے قرآن کے نقشِ پا پر چلنے سے تم بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ "معیت و رفاقت" ایک ایسا مؤثر عمل ہے جو بہت جلد اپنا اثر دکھاتا ہے۔ پنجابی کا ایک شعر ہے ؎

چنگیاں دے لڑ لگیاں میری جھولی پھُل پئے
تے مندیاں دے لڑ لگیاں میرے اگلے وی ڈُل گئے

یعنی اچھوں کی رفاقت سے میرا دامن پھولوں سے بھر گیا اور بروں کی رفاقت سے جو پہلے تھا اس سے بھی محروم ہو گیا۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا اب حالات یہ ہیں کہ لوگ بدکاروں فاسقوں' فاجروں' خدا کے خوف سے بے نیاز اور اخلاق و کردار کے دشمنوں سے یاری گانٹھتے ہیں اور اہل حق و صداقت سے گریز کرتے ہیں۔

یوم الامتحان

میں اپنی شرعی اور دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ببانگ دہل کہنا چاہتا ہوں کہ ۷ مارچ کو ہونے والا انتخاب امتحان و آزمائش کا دن ہے۔ ملک و ملت کی ناگفتہ بہ صورت سے ہر کوئی آگاہ ہے اور جو اس کا باعث ہیں اس سے بھی ہر کوئی واقف ہے۔ پھر بھی خوف' لالچ' طمع اور اس قسم کی رذیل حرکتوں پر عمل کرتے ہوئے پہلے کی طرح بے دین و فاسق افراد کو قیادت و سربراہی کے لیے چنا گیا تو سمجھ لیں کہ دن گنے جا چکے! آپ کو سوچنا ہوگا اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔

زندگی کے ہر معاملہ میں جب اچھے اور بھلے رفقاء کا انتخاب ہم لوگ کرتے ہیں تو ملکی قیادت کا بارگراں اٹھانے کے لیے اس کے اہل افراد کا انتخاب سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ بصورت دیگر بے دین و دانش افراد خود تو غرق ہوں گے آپ کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب فرمائے۔

عالمِ دین کو مولانا کہنا بالکل درست اور صحیح ہے

ملک غلام حیدر ایم اے (اسلامیات) گولڈ میڈلسٹ لیکچرر گورنمنٹ کالج، میانوالی

قارئینِ کرام! شاید آپ اس بات سے بخوبی آگاہ ہونگے کہ کراچی عربک کالج کے پرنسپل ایم عطا الرحمٰن شاہین نے کافی عرصہ سے اخبارات اور پمفلٹوں کے ذریعہ ملک کے مختلف حصّوں میں اس بات کا ادھم مچا رکھا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مولانا کہنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ بات قرآن و سنت کے منافی ہے لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس مضمون کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھیں تاکہ معترضین کے اعتراضات کا جواب اچھی طرح دے سکیں۔ شکریہ!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ انسان کے اشرف اور مکرم ہونے کا اعلان وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ میں کیا گیا ہے۔ لیکن اس اشرف مخلوق میں پھر درجہ بندی کر دی گئی ہے۔ یعنی کوئی انتہائی درجے کا مکرم کوئی اس سے کم۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس مکرم مخلوق میں سب سے اعلیٰ، ارفع اور اشرف و اکرم انبیاء علیہم السلام ہیں۔ باقی جو انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کی وراثت کو جاری کیا گیا ہے ان ورثاء کو علماء کا لقب دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ۔ انبیاء کے یہ ورثا قدر و منزلت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد درجہ بدرجہ ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جس طرح ان کی عزت و تکریم باطناً واجب ہے ظاہراً بھی انہیں اچھے الفاظ کے ساتھ مخاطب کرنا چاہیے چنانچہ مختلف ازمنہ میں انہیں مختلف ناموں سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے۔ کبھی امام، کبھی شیخ، کبھی علامہ، کبھی مُلّاں، کبھی مولانا۔

"مولانا" جیسا کہ مصنف مذکور لکھتے ہیں "مولیٰ" اور "نا" سے مرکب ہے۔ مصنف مذکور اس بات کے معترف ہیں کہ "مختلف ڈکشنریوں اور جاہلیت کے زمانہ کے استعمال میں اس لفظ کے اور بھی کئی معنی آئے ہیں"۔ لیکن انہیں اشکال اس بات میں ہے کہ "قرآن مجید میں کہیں بھی حضرت محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو بھی "مولانا" نہیں کہا گیا اور نہ ہی کسی اور پیغمبر، عالم یا انسان کو" اور اگر استعمال بھی ہوا ہے تو بُرے معنیٰ میں۔ آخر میں مصنف مذکور کہتے ہیں۔ "کہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اُن کی حیات طیبہ میں اہل بیت رضؓ یا صحابہ رضؓ یا کسی اور نے بھی مولانا نہیں کہا"۔

مصنف کے اعتراضات کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد اب ذرا ان اعتراضات پر بحث کی اجازت چاہوں گا۔

مولیٰ کا لفظی معنیٰ

نہایہ میں ہے کہ مولیٰ کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے جیسے (۱) ربّ (۲) مالک (۳) سیّد (۴) منعم (۵) مُعتِق (۶) ناصر (۷) محب (۸) تابع (۹) جار (۱۰) ابن العم (۱۱) حلیف (۱۲) عقید (۱۳) صہر (۱۴) عبد (۱۵) منعم علیہ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۴ مطبوعہ کراچی)

ان معانی پر غور کرنے سے انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جب مولیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے تو ان معانی میں سے کوئی ایک معنیٰ مراد لیا جاتا ہے۔ اور یہ تمام الفاظ غیر خدا کے لیے مستعمل ہیں حتیٰ کہ ربّ بھی غیر خدا کے لیے قرآن میں استعمال ہوا ہے جیسے اُذْكُرْنِي عِنْدَ

رَبِّكَ (۱۲-۴۲) (اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کرنا) یا اِرْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ (۱۲-۵۰) اپنے سرکار کے پاس لوٹ جاؤ! اس لیے اگر مولیٰ بول کر مالک، آقا، سردار، آزاد کنندہ وغیرہ، مراد لیا جائے تو لغوی اعتبار سے انتہائی مناسب اور درست ہوگا۔ امام راغبؒ نے مولیٰ کے چند معنیٰ نقل کرنے کے بعد ایک معنیٰ یہ بھی لکھا ہے کہ "ہر وہ شخص جو دوسروں کے معاملہ کا والی ہو وہ بھی اس کا مولیٰ کہلاتا ہے۔" علماء کرام امور دینیہ میں ہمارے والی ہیں لہٰذا کسی عالم دین کو مولانا لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مولانا کا ثبوت قرآن پاک سے!

قرآن پاک جیسا کہ مصنف مذکور کہتے ہیں "لیکن عربی زبان کا معاملہ ہو تو قرآن مجید ہی آخری اور حتمی اور فیصلہ کن دلیل ہے اور قرآن مجید کے مقابلہ میں قواعد اور رواج کی بھی کوئی حیثیت نہیں"۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ قرآن فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں اور احکام و ارشادات کی سند بننے کے سلسلہ میں اولیں حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن مصنف مذکور نے جو اتنا بڑا دعوے کیا ہے کہ قرآن میں کسی غیر کو مولے نہیں کہا گیا اور اگر کہا گیا ہے تو بُرے معنیٰ میں جیسے بِئْسَ الْمَوْلَىٰ یہ ان کی قرآن دانی کے دعوے کا پول کھول رہا ہے اس لیے کہ قرآن پاک میں جبرئیل امین اور صالح مومنین کو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مولیٰ کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مصنف مذکور کے ذہن میں کبھی یہ آیت نہ آئی ہو۔ کیونکہ پرنسپل بن جانا مفکر و مجدد ہونے کی تو سند نہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:۔

وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا اور اگر چڑھائی کروگی فان اللہ ہو مولٰہ تو اس کا اللہ (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا) رفیق و چارہ گر ہے۔ وجبریل اور عالم ملکوت میں جبرئیل بھی چارہ گر ہے۔ الہامات میں مؤید ہے اور ناسوت میں صالح المومنین نیک بندے ایماندار اور مددگار ہیں خلفاء اربعہ وغیرہ"۔

(تفسیر حقانی جلد ہفتم صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ دہلی)

اس آیت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جبرئیلؑ کو بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مولیٰ کہا گیا ہے۔ اور صالح مومنین کو بھی حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مولیٰ کہا گیا ہے۔ اسی طرح تفسیر خازن میں ہے:

"(فان الله هو مولاه) اى وليه وناصره (وجبريل) يعني وجبريل وليه وناصره ايضا انما افرده وان كان داخله في جملة الملائكة تعظيما له وتنبيها على علو منزلته ومكانته (وصالح المومنين) روى عن ابن مسعود وابى ابن كعب صالح المومنين ابو بكر وعمر وقيل هم المخلصون من المومنين الذين ليسوا بمنافقين وقيل هم الانبياء"

(تفسیر خازن جلد ششم صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ مصر)

اسی طرح تفسیر ابوالسعودؒ میں ہے:

"فان الله ناصره وجبريل رئيس الكروبيين قرينه ومن صلح من المومنين اتباعه واعوانه"

صفحہ ۲۴۳ جلد دوم، طبع اولیٰ مطبوعہ مصر)

یعنی بے شک اللہ تعالےٰ اس کا مددگار جبرئیل علیہ السلام جو فرشتوں کے سردار ہیں اس کے ساتھی اور نیک مومنین اس کے تابعدار اور اعوان و مددگار ہیں"۔

آیت کے بارے میں ان تفاسیر کے پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں جبرئیل و مومنین صالحین کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ کہا گیا ہے یہ ہماری اختراع نہیں ہے بلکہ تمام مفسرین یہی معنی بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مولیٰ قرآن کی رو سے غیر خدا کو کہنا درست ہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک اصلی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

حدیث سے ثبوت

قرآن پاک کی طرح سنّت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ احادیث تو اس بارے میں کثرت سے ہوں گی لیکن چونکہ ثبوت کے لیے ایک حدیث بھی کافی ہے لہٰذا ایک دو احادیث پر اکتفا کیا جائے گا۔

"عن زید بن ارقم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کنتُ مولاہ فعلی مولاہ ۔ رواہ احمد والترمذی (مشکوٰۃ شریف درباب مناقب علی بن ابی طالب ص۵۶۴)

ترجمہ: زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ جس کا میں مولا ہوں (حضرت) علیؓ بھی اس کے مولا ہیں۔"

ہو سکتا ہے مصنف مذکور حدیث کو ضعیف کہہ کر انکار کر دیں۔ لہٰذا حدیث کی قوت بیان کی جاتی ہے ــــ مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں درج ہے:۔

قال فی المرقاۃ ھٰذا حدیث صحیح لامریۃ فیہ بل بعض الحفّاظ عدّہ متواترا" (ایضاً ص۵۶۴)

ترجمہ: مرقاۃ میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں بلکہ بعض حفّاظِ حدیث نے تو اسے متواتر میں شمار کیا ہے۔"

اور اگر مصنف صاحب کو ناضمیر ہی لگانا ہے تو موطاء امام مالکؒ میں روایت ہے کہ "حضرت زبیر بن العوام رضؓ نے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ اس عبد کے آزاد عورت سے بیٹے تھے۔ جب حضرت زبیرؓ نے اسے آزاد کیا۔ تو وہ کہنے لگا وہ میرے موالی ہیں اور کہا اپنی ماں کے موالی ہیں۔ بلکہ وہ ہمارے موالی ہیں (حدیث کے الفاظ ہیں بل ھم موالینا) تو انھوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ رضی اللہ عنہ کے پاس جھگڑا کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے ان کی ولاء کا فیصلہ کیا۔ (موطاء امام مالک ص۵۴۲ مطبوعہ کراچی)

اس حدیث میں عبد کے ان بیٹوں کو جو آزاد عورت سے پیدا ہوتے تھے مَوَالِیْنَا کہا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر خدا کو مَوَالِیْنَا کہنا درست ہے۔ موالی جمع ہے مولیٰ کی۔ جب موالینا کہنا درست ہے تو مولینا کہنا بھی غیر خدا کو درست ہے۔

اجماعِ امّت

قرآن و سنّت سے کسی چیز کے ثابت ہونے کے بعد مزید ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر قارئین کی مزید تسلی کے لیے ایک اور دلیل بھی عرض کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن، سنّت، اجماع، قیاس یہ چار بنیادی ماخذ ہیں۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ لفظ مولانا غیر خدا کو کہنا درست ہے۔ کیونکہ امت مسلمہ میں جتنے فرقے بھی ہیں تقریباً سب اپنے علماء کو مولانا کہتے ہیں۔ امت کا یہ اجماع اس بات کی سند ہے کہ مولینا کسی عالم دین کو کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

فاعتبروا یااولی الابصار۔

بقیہ: مجلسِ ذکر

یہ ارشاد بڑا ہی واضح ہے کہ اس میں جہاں اجتماعی ذکر اور اجتماعی خیر و نیکی کا ثبوت ملتا ہے وہاں بُروں کے لیے خوشخبری کا سامان بھی موجود ہے لیکن نیکوں کے صدقہ! ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

باقی یہاں یہ جو کچھ ہے اس کی توفیق سے ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا؟ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمے کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت بداشتت

ہم تو خدا سے ڈرتے ہیں اور بہت حضرت فرماتے ہیں کہ جب تک میرا خاتمہ بالخیر نہ ہو جائے میں ڈرتا ہی رہوں گا۔ اور یہ بھی صحیح، اللہ کے نبیؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ

کہ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آدمی نیکیاں کرتے کرتے جنت کے قریب پہنچ کر الٹے رُخ چل پڑتا ہے اور جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے بات تو واضح ہے کہ نفس کی شرارتوں سے خدا بچائے۔

بہرحال بھائی! یہ اہل خیر کا جاری کردہ سلسلہ ہے اللہ تعالےٰ اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

تنقید اور حقِ تنقید

ایک عزیز کے نام

[illegible] بینات [illegible]

[illegible] مولانا محمد یوسف لدھیانوی [illegible] مودودی صاحب [illegible]

* ادارہ

عزیزم، سلمہ، السلام علیکم! تمہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے والہانہ عقیدت ہے اور تمہارے لیے یہ سوال حیرت و پریشانی کا موجب ہے کہ اکابر اُمت، جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی تحریک اسلامی کی مخالفت پر کیوں کمربستہ ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ سرسیّد احمد خاں کی تحریک اصلاح اسلام، عبداللہ چکڑالوی کی تحریکِ قرآن، غلام احمد قادیانی کی تحریک تجدید اسلام، غلام احمد پرویز کی تحریک طلوع اسلام، ڈاکٹر فضل الرحمن کی تحریک تجدّدِ اسلام اور سوشلسٹوں کی تحریک ترقی پسند اسلام کی مخالفت علماء نے کیوں کی؟ اس کے جواب میں تم یہی کہو گے کہ ان لوگوں نے اپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق، اسلام کا ایک مصنوعی خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کر کے اسے تو معیار قرار دیا۔ اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کی جو چیز اس مصنوعی خاکہ میں فٹ ہو سکی اسے لے لیا اور جو چیز اس کے خلاف نظر آئی اسے یا تو ہنسی مذاق میں اُڑا دیا یا تاویل کے تیشے سے تراش کر اس کے مفہوم و معنیٰ کو غارت کر دیا، گویا ان کا ذہن و فکر، عقل و شعور اور دل و دماغ "اسلام" کے تابع نہیں، بلکہ "اسلام" کا ردّ و قبول ان کے ذہنی خاکہ کے تابع ہے اور علماء کا فرض تھا کہ ان کے مصنوعی "طلسم اسلام" کو توڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حقیقی اسلام کی، جو چودہ سو سال سے سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آتا ہے اُمت کو دعوت دیتے اور ان "نئے متفکرینِ اسلام" کے فتنہ سے لوگوں کو آگاہ کرتے — تم جانتے ہو کہ علماءِ اُمت نے ہر قیمت پر یہ فریضہ ادا کیا۔ انہیں گالیاں دی گئیں، ان پر فقرے چست کئے گئے، ان کا مذاق اڑایا گیا۔ ان پر طعن و تشنیع کے نشتر چلائے گئے، مگر علماءِ اُمت کو اپنا فرض ادا کرنا تھا اور انھوں نے بہرحال اسے ادا کیا، اور جب تک بدن میں جان اور منہ میں زبان ہے تب تک علماءِ اُمت سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے [illegible] دن اور رات کو رات کہنے "جرم" کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

اب سنو! اسی طرح کا ایک مصنوعی خاکہ جناب مودودی صاحب نے اپنی ذہانت و طباعی سے اختراع کیا، اسی کو "اسلامی تحریک" کی حیثیت میں پیش کیا، اسی کی بنیاد پر "اسلامی جماعت" تشکیل کی، اور آج ان کی "جماعتِ اسلامی" کے بڑے چھوٹوں پر اسی مصنوعی خاکہ کی چھاپ ہے۔ خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں کہ جو حکم مذکورہ بالا لوگوں کا ہے وہی جناب مودودی پر بھی لگا رہا ہوں، نہیں! بلکہ درجات و مراتب کا فرق ہے "ظلمات بعضها فوق بعض"۔ تشبیہ سے مقصد صرف اتنا ہے کہ حقیقی اسلام کو سمجھنے سے یہ سب لوگ قاصر رہے اور اپنے فہمیدہ اسلام کا الگ نقشہ مرتب کرنے میں سب شریک ہیں۔ یہ الگ امر ہے کہ ان میں سے بعض کا مرتبہ نقشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے بالکل ہی مختلف ہو، اور بعض کا اس قدر مختلف نہ ہو، مگر اس میں کیا شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی عقل و فہم کے زور سے

اسلام کا جو خاکہ سمجھا اسی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، اسی کو مدار ٹھہرایا اور اسی کی قوم کو دعوت دی۔

عربی کی مثل ہے لکل ساقطۃ لاقطۃ یعنی ہر گری پڑی چیز کو اُٹھانے والا کوئی نہ کوئی مل ہی جاتا ہے، ذہنی مطابقت اور قلبی تشابہ کی بناء پر ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ افراد مل ہی گئے ـــ یہ تمہارے سوال کا مختصر سا جواب ہے، مگر میرا خیال ہے کہ اس اجمال سے تمہاری تشفی نہیں ہوگی، اس لئے مجھے اس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرنا ہوگی۔ آج کی صحبت میں میں آپ کو صرف ایک نکتہ پر غور و فکر کی دعوت دوں گا، تم نے جماعت اسلامی کے دستور میں جناب مودودی صاحب کے قلم سے یہ فقرہ پڑھا ہوگا۔

"رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو "معیارِ حق" نہ بنائے، کسی کو "تنقید" سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بتائے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو، اس کو اسی درجہ میں رکھے۔" (مودودی مذہب[1] صـ ۵۴)

اس دستوری عقیدہ میں جناب مودودی صاحب نے ہر فردِ جماعت کو، خواہ اس کی اپنی حیثیت کچھ ہی ہو، یہ تلقین فرمائی ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مستثنیٰ کرنے کے بعد کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھا جائے، نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوا جائے بلکہ جو کسوٹی مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو خدا نے عطا کی ہے اس پر ہر ایک کو ٹھونک بجا کر پرکھا جائے، اور پھر اس جانچ پرکھ کے نتیجے میں جس کا جو درجہ متعین ہو اسے اسی درجہ میں رکھا جائے۔ اب ذرا مودودی مذہب کا مطالعہ کرکے دیکھئے کہ تنقید کی چھلنی میں چھان پھٹک کر مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے اکابر کے کیا کیا درجے متعین فرمائے ہیں۔ سنیے! مودودی صاحب بتاتے ہیں کہ:۔

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کیے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے ـــــــــ (مودودی مذہب ص ۲۳)

۲۔ پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی کہ لا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ (سورۃ ص ع ۲) ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی ـــــــــ (ص ۲۱)

۳۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہوکر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی ـــــــــ (ص ۲۴)

۴۔ حضرت داؤد کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا ـــــــــ (ص ۲۵)

۵۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہوگئے تھے ـــــــــ (ص ۲۹)

۶۔ عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے ..... اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں ـــــــــ (ص ۳۰)

۷۔ انبیاء کرام سے قصور بھی ہو جاتے تھے اور انہیں سزا بھی دی جاتی تھی ـــــــــ (ص ۳۱)

۸۔ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہوکر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا ـــــــــ (ص ۳۵)

۹۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے (یہ پوری عبارت مودودی مذہب ص ۵۶ میں پڑھ لیں) آگے کی عبارت نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے

۱۰۔ صحابہ کرامؓ جہاد فی سبیل اللہ کی اصل سپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کر جاتے تھے ـــــــــ (ص ۵۹)

---

[1] میں تمہارا وقت بچانے کے لئے "مودودی مذہب" مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا حوالہ دے رہا ہوں۔ اس میں درج شدہ حوالوں پر کوئی اعتراض ہو تو مصنف ماشاءاللہ بقیدِ حیات ہیں، ان سے رجوع کر سکتے ہیں۔ چاہو تو یہ ذمہ داری میں خود بھی قبول کرنے کو تیار ہوں۔

۱۱- ایک مرتبہ صدیقِ اکبر جیسا بے نفس متورع اور سراپا للہیت بھی اسلام کے نازک ترین مطالبہ کو پورا کرنے سے چوک گیا ——— (ص ۶۰)

۱۲- (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) شخصی عظمت نے رحلتِ مصطفوی کے وقت اضطراری طور پر حضرت عمر کو تھوڑی دیر کے لئے مغلوب کر لیا تھا ——— (ص ۶۰)

۱۳- حضرت عثمانؓ جن پر اس کارِ عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا، ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا ——— (ص ۶۵)

۱۴- خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے، جو انھوں نے قاضی کی حیثیت سے کئے تھے (ص ۲۶۶)

۱۵- حضرت عثمانؓ نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ تنقید بن کر رہیں۔ ——— (ص ۷۱)

۱۶- مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا ——— (ص ۷۱)

۱۷- اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔ ——— (ص ۷۲)

۱۸- دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن حکم کی ماموریت تھی ——— (ص ۷۲)

۱۹- تاریخ بتاتی ہے اور صحیح بتاتی ہے کہ مروان ویزید امتِ مسلمہ کے نزدیک ناپسندیدہ شخصیتیں سمجھی جاتی ہیں۔ یہ نرم سے نرم الفاظ ہیں جو مروان اور یزید کے بارے میں کہے جا سکتے ہیں ——— (ماہنامہ فاران ص ۴۲ ستمبر ۷۶ء)

۲۰- حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو (جو فقرہ ۱۷-۱۸ میں نقل ہوا) بلاشبہ غلط تھا، اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے ۱؎ ——— (مودودی مذہب صفحہ ۷۳)

۲۱- ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں بر سرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے ...... کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا، اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا ——— (ص ۷۵)

۲۲- زیاد بن سُمیّہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انھوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی ۲؎ ——— (ص ۷۶)

۲۳- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی اور مددگار بنانے کے لئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں ۳؎ اور اس کا ثبوت بہم پہنچا کر کہ زیاد انہی (ابو سفیان) کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسے اسی بنیاد پر اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا ——— (ص ۷۷)

۲۴- حضرت عمرو بن العاص ...... سے دو کام ایسے سرزد ہوگئے ہیں، جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے ——— ص ۸۴

۲۵- حضرت علیؓ نے ...... مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دے دیئے درآنحالیکہ قتلِ عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علیؓ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ۴؎ ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا

۱؎ اور اللہ اللہ فی اصحابی کا مطالبہ کیا ہے۔ مدیر۔ ۲؎ غالباً اسی سنّت کی تقلید میں آنجناب نے بھی فاطمہ جناح کی انتخابی مہم میں "سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی"۔ مدیر۔

۳؎ زناکاری پر شہادتیں لینا؟ کیسا عجیب انکشاف ہے۔ مدیر۔ ۴؎ جو ان کے پورے زمانۂ خلافت پر پھیلا ہوا ہے۔ مدیر۔

کوئی چارہ نہیں ——————— (ص ۸۵)

۲۶۔ حضرت عائشہؓ و حفصہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کچھ زیادہ جری ہو گئی تھیں، اور حضورؐ سے "زبان درازی" کرنے لگی تھیں ——————— (ص ۸۸)

۲۷۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا، قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے ——————— (ص ۹۱)

۲۸۔ امام غزالیؒ کے تنقیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی ہے جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوتے دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے ——————— (ص ۹۲)

۲۹۔ پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ (ولی اللہ) صاحبؒ اور ان کے خلفاء کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہ غذائے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی ——————— (ص ۹۲)

۳۰۔ اسی طرح یہ قالب (تصوف) بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اس کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگایا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان "مزمن مریضوں" کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آ جاتی ہے جو صدیوں سے ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہے ——————— (ص ۹۲)

۳۱۔ مسلمانوں کے اس "مرض" سے نہ حضرت مجدد صاحبؒ ناواقف تھے، نہ شاہ صاحبؒ دونوں کے کلام میں اس پر تنقید بھی موجود ہے مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دی جو اس مرض میں 'مہلک' ثابت ہو چکی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے "مرض" سے متاثر ہوتا چلا گیا ——————— (ص ۹۴)

۳۲۔ اگرچہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی جو ابن تیمیہ نے کی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی تھا جس کا کچھ اثر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریروں میں بھی باقی رہا اور پیری مریدی کا سلسلہ سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا، اس لئے "مرضِ صوفیت" کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی ——————— (ص ۹۵)

۳۳۔ اور یہی 'جہالت' ہم ایک نہایت قلیل جماعت[1] کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں، خواہ ان پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں، مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں ——————— (ص ۱۹)

میں نے جناب مودودی صاحب کے بپھرے ہوئے دریائے تنقید سے یہ چند قطرے پیش کیے ہیں اور یہ سب کچھ انہوں نے بزعم خود 'خدا کے بتائے ہوئے معیار' پر جانچنے اور پرکھنے کے بعد لکھا ہے۔ میں ان کے ایک ایک فقرے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ تم خود سوچو کہ ان تنقیدات کے بعد اسلام کا کیا نقشہ ذہن میں آتا ہے۔ البتہ جی چاہتا ہے کہ تمہاری سہولت کے لئے چند اصولی باتیں پیش کر دوں۔

۱۔ جناب مودودی صاحب کا ارشاد کہ "رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے"؛ اس کے آثار و نتائج پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ "تنقید" کسے کہتے ہیں، تم جانتے ہو کہ یہ عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ کسی چیز کو جانچنا، پرکھنا اور کھوٹا کھرا معلوم کرنا اور اردو محاورے میں یہ لفظ نکتہ چینی، خردہ گیری اور اظہارِ نقص کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی

[1] جناب مودودی صاحب کی اپنی جماعت۔ مدیر

جانچنے پرکھنے کے بعد جب کوئی چیز عیب دار ثابت ہوتی ہے اس کے کمزور پہلوؤں کے اظہار کا نام تنقید ہے جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں پر تنقید کی تو اس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ اس کے کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اس پر نکتہ چینی کی اور اس کے عیوب و نقائص بیان کئے۔

۲۔ جس چیز یا جس شخصیت کو تنقید کا محل سمجھا جائے اس کے بارے میں سب سے پہلا تصور یہ قائم ہوتا کہ تنقید سے پہلے یہ چیز قابلِ اعتماد نہیں بلکہ جانچ پرکھ کی محتاج ہے اور اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ یہ لائق اعتماد ہے یا نہیں کیونکہ جو چیز سو فی صد لائق اعتماد ہو اس کے جانچنے پرکھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ دنیا میں کوئی ایسا عقلمند آپ نے دیکھا ہوگا جو سکہ بند اور لائق اعتماد چیزوں کی جانچ پرکھ کرتا پھرے۔ الغرض یہ ایک بدیہی اُصول ہے کہ جو چیز لائق اعتماد ہے، اس کی تنقید (یا اردو محاورے کے مطابق اس پر تنقید) کی ضرورت نہیں اور جو چیز محتاج تنقید ہے، وہ تنقید سے قبل لائق اعتماد نہیں۔ مثلاً بازار میں مُہر شدہ باٹ استعمال ہوتے ہیں، آپ نے کسی کو نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ سودا خریدتے وقت دکاندار سے یہ دریافت کرے کہ میاں! اس کا وزن بھی درست ہے۔ کیونکہ وہ سرکاری مُہر کے بعد تنقید سے بالاتر ہے اور اس پر سرکاری مہر کا ہونا ہی اس کے قابلِ اعتماد ہونے کی ضمانت ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس دانشمندی کا مظاہرہ کرے تو تم جانتے ہو کہ اسے کیا کہا جائے گا۔

اب جب مودودی صاحب ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کوئی بھی انسان تنقید سے بالاتر نہیں، تو اس کے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی انسان بھی ہمارے لئے لائق اعتماد نہیں۔ اسی اعتماد کو جناب مودودی صاحب ’ذہنی غلامی‘ سے تعبیر کر کے یہ فرماتے ہیں کہ نہ (رسول خدا کے سوا) کسی (انسان) کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو! گویا جناب مودودی صاحب کے نزدیک چودہ سو سال کی اُمت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے قول و فعل پر ہم اعتماد کر سکیں۔ تاوقتیکہ مودودی صاحب خدا کے بتائے ہوئے معیار پر جانچ کر اس کی درجہ بندی نہ کریں اور ہمیں یہ نہ بتلا دیں کہ فلاں شخص پر تم اس حد تک اعتماد کر سکتے ہو اور اس حد تک نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے خود تراشیدہ تصور اسلام میں خلفائے راشدین کے قاضیانہ فیصلوں کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی حد تک تاکید سے اُمت کو وصیت فرمائی تھی کہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑیں۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث تم نے پڑھی ہوگی۔

عن العرباض بن ساریۃ ؓ قال صلی بنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم ثم . . . . وکل بدعۃ ضلالۃ۔

(رواہ احمد، وابو داؤد، والترمذی، وابن ماجہ)

ترجمہ:۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو ہماری جانب رُخ کر کے بہت ہی پُراثر وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل کانپ گئے۔ وعظ سُن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آج کا وعظ تو ایسا جامع اور مؤکد تھا جیسا رخصت کرنے والے کا وعظ ہوتا ہے (کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں چھوڑتا جس پر تنبیہ کی حاجت ہو) پس (اگر واقعی آپ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے تو) ہمیں کوئی وصیت فرمایئے (جس کو عمر بھر یاد رکھیں، آپ نے فرمایا، میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور یہ کہ (تم میں سے جو اولوالامر ہو اس کی) سنو اور مانو، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے (نظریاتی) اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت کو اور ان خلفاء کی سنت کو جو رشد و ہدایت پر فائز ہیں، اختیار کرو، اسے خوب مضبوط پکڑو اور دانتوں سے تھام لو اور نئے نئے اُمور سے اجتناب کرو۔ کیوں کہ ہر نئی بات (جسے دین کا جز سمجھ لیا جائے وہ) بدعت، اور ہر بدعت، گمراہی ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۲۹، بحوالہ مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

۳۔ جانتے ہو کوئی شخص جب کسی دوسرے پر ’تنقید‘ کرتا ہے۔ تو اس کا منشاء کیا ہوتا ہے؟ سنو اگر کسی کے علم پر تنقید کی جائے (خواہ وہ صرف کسی ایک مسئلہ یا معاملہ سے متعلق ہو) تو اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان صاحب کا علم صحیح نہیں، بلکہ ناقد کا علم صحیح ہے۔ یا ناقد اس مسئلہ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے فہم پر تنقید کی جائے تو اس کا منشا اپنے فہم کی برتری کا احساس ہے۔ اور اگر عمل پر تنقید کی جائے تو اس کا منشا اپنے عملی

تفوق کا جذبہ ہے۔ الغرض جس بات میں آپ دوسرے پر تنقید کریں گے، اس میں اپنے علم وعمل اور عقل وفہم کے مقابلے میں دوسرے کے علم وعمل اور عقل وفہم کو فروتر سمجھیں گے۔ پھر کبھی تو ناقد واقعی ان امور میں اس شخص سے جس پر تنقید کی گئی، فائق ہوتا ہے اور کبھی واقعۃً فائق نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی خوش فہمی کے جنون میں اپنے کو فائق تر سمجھتا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں اسے 'کبر' یا 'تکبر' کہتے ہیں اور یہی 'کبر' تھا جس کا شکار سب سے پہلے ابلیس ہوا اور اسی پر خود غلط احساس برتری نے اسے 'معلم ملکوت' کے بجائے قیامت تک ملعون بنا دیا۔ اب اس اصول کو سامنے رکھ کر ذرا مودودی صاحب کی اداءِ اصول پر نظر ڈالیے۔ وہ ہر شخص کو حق دیتے ہیں کہ وہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا سلف صالحین میں سے ہر شخص پر تنقید کرے۔ بتایئے آخر اس کو کیا نام دیا جائے۔ کیا مودودی صاحب کے نزدیک ان کی جماعت کا ہر فرد سلف صالحین سے علم وفہم میں فائق ہے۔ اگر نہیں تو اس کا منشا بر خود غلط پندار کے سوا اور کیا ہے؟ اور پھر مودودی صاحب جب یہ کہتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں، اس وقت ان کا دعویٰ گویا یہ ہوتا ہے کہ وہ فریضۂ رسالت کی ذمہ داریوں کو حضرت یونس علیہ السلام زیادہ سمجھتے ہیں بلکہ شاید خدا سے بھی زیادہ۔ کیونکہ کم از کم مودودی صاحب سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اپنی جماعت کی کوئی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جس کے بارے میں انہیں علم ہے کہ وہ اسے پوری طرح ادا نہیں کر سکے گا۔ مگر بقول ان کے، خدا نے فریضۂ رسالت کی ذمہ داری حضرت یونسؑ کے سپرد کرکے یہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی۔

اسی طرح جب وہ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام جاہلیت کے جذبے سے مغلوب ہوگئے تھے تو گویا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جذباتِ جاہلیت پر اُن کی نظر حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ ہے، اور یہ کہ ان جاہلی جذبات پر غالب آنے کی وہ حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ ہمت رکھتے ہیں کیونکہ اپنے بارے میں ان کا ارشاد یہ ہے۔

"خدا کے فضل سے میں کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہوکر نہیں کیا اور کہا کرتا۔ ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے تول تول کر کہا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے نہ کہ بندوں کو، چنانچہ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی لفظ بھی خلاف حق نہیں کہا"۔ (مودودی مذہب ص ۲۹)

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہوکر فلاں کام کیا تھا، اس وقت وہ نہ صرف اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ جو شخص اپنی سوسائٹی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو جائے وہ پیغمبر ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ یہ وہ تاثر دیتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی جگہ اگر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہوتے تو اوریا سے اس کی بیوی کی طلاق کا مطالبہ نہ فرماتے۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے فلاں معاملہ میں انسانی اخلاق تک کو ملحوظ نہیں رکھا، اس وقت وہ اپنے آپ کو انسانی اخلاقیات کا حضرت معاویہؓ سے بڑا عالم سمجھتے ہیں اور جب وہ یہ کہتے ہیں حضرت معاویہؓ نے شریعت کے فلاں قاعدے کی صریح خلاف ورزی کی اس وقت وہ اپنے آپ کو حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر عالم شریعت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر حضرت سید احمد شہیدؒ تک مجددین کے تجدیدی کاموں میں یہ یہ نقائص رہ گئے۔ اس وقت وہ یہ باور کراتے ہیں کہ وہ تجدید و احیائے دین کو ان تمام اکابر سے زیادہ سمجھتے ہیں اور جب وہ بڑے فخر سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ:

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن اور سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے[1]۔ اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے۔ یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا

[1] اور قرآن اور سنت کا سمجھنا آنجناب کو کس نے سکھایا تھا؟ حال یا ماضی کے اشخاص نے؟ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں نے؟ یا مرزا غلام احمد کی طرح سب کچھ شکم مادر ہی سے لے کر آئے تھے؟ ناشکری کی حد ہے کہ دو چار اُلٹے سیدھے حرف جن 'اشخاص' کی جوتیوں کی برکت سے حاصل ہوئے، انہی کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ مدیر۔

محض کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسولؐ نے کیا کہا ہے[1]

(مودودی مذہب ۹۸)

اس وقت دراصل وہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُمت کے طویل ترین دور میں کوئی بزرگ ان سے زیادہ دین کو سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا۔ خیر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اس پر انشاء اللہ کبھی دوسری فرصت میں کچھ کہوں گا۔ سردست مجھے یہ کہنا ہے کہ تنقید کا منشا ہمیشہ انا خیر منہ کا احساس ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعۃً کسی سے علم و فہم اور عمل و اخلاق میں بڑھ کر ہے تو بلاشبہ اپنے چھوٹے پر تنقید کا حق حاصل ہے۔ اور اگر بر خود غلط احساس برتری اس کا منشا ہو تو اس سے ہر مومن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ اب اگر جناب مودودی صاحب واقعی ان تمام افراد سے اپنے علم و فہم اور عمل و تقویٰ میں فائق ہیں جن پر انھوں نے تنقیدیں کی ہیں تو بلاشبہ انہیں تنقید کا حق ہے اور اگر ان حضرات کے مقابلہ میں علم و فہم اور عمل و تقویٰ میں تہی دامن ہونے کے باوصف وہ تنقید کا شوق رکھتے ہیں تو اس کا منشا بجز غرور و پندار اور تکبر کے کیا ہو سکتا ہے؟

۴- پھر جناب مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق جب چودہ سو سالہ اُمت کا کوئی فرد تنقید سے بالا نہیں نہ کسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے بلکہ خدا کی بنائی ہوئی کسوٹی پر ہر ایک کو جانچنا اور پرکھنا لازم ہے تو سوال یہ ہے کہ جو دین آج کی اُمت کو سلف صالحین کی نقل و روایت اور علم و عمل کے ذریعہ پہنچا ہے اس پر اعتماد کیسے کیا جائے؟ تم جانتے ہو کہ ہمارے دین کے دلائل چار ہیں۔ کتابُ اللہ، سنّتِ رسول اللہ (خلفائے راشدین کی سنّت اسی ضمن میں آجاتی ہے) اجماعِ اُمت اور قیاسِ مجتہدین۔

ائمہ اجتہاد کے فقہی مسائل تو یوں ختم ہوئے کہ مودودی صاحب ماشاء اللہ خود مجتہدِ مطلق ہیں۔ انہیں دین فہمی کے لئے ماضی و حال کے کسی بزرگ سے علمی استفادہ کی حاجت نہیں اور جب پوری اُمت کو محتاجِ تنقید اور نالائقِ اعتماد فرض کر لیا جائے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے اجماع کی بھی کوئی حیثیت نہ ہوگی اور کتاب و سنّت کا مدار روایت و درایت پر ہے، جن لوگوں کے علم و عمل پر ہی اعتماد نہیں ان کی روایت و درایت کا حال معلوم۔ خصوصاً جب کہ جناب مودودی صاحب کی تحقیق کے مطابق صحابہ کرامؓ ایک دوسرے پر چوٹیں کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو (نعوذ باللہ) جھوٹا بتایا کرتے تھے۔ اگر صحابہ کرامؓ بھی نعوذ باللہ ایسے ہی تھے جس کی تصویر مودودی صاحب کی تنقیدات نے مرتب کی ہے۔ تو بعد کی اُمت تو ظاہر ہے کہ ان سے بدتر ہی ہوگی۔ نتیجہ یہ کہ قرآن و حدیث سے لے کر اجماع و قیاس تک ہر چیز مشکوک اور ناقابلِ اعتماد ٹھہری جب تک کہ خدا کے بتائے ہوئے معیار پر پرکھ کر مودودی صاحب ہمیں نہ بتائیں کہ فلاں چیز کتنی حد تک قابلِ اعتماد ہے اور کتنی حد تک نہیں ——؟ ذرا انصاف سے کہیئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور مسٹر غلام احمد پرویز اس کے سوا اور کیا کہتے ہیں؟ اور پھر یہ "خدائی معیار" مودودی صاحب کو کہاں سے حاصل ہوگا۔ جس پر جانچ جانچ کر وہ سلف صالحین میں سے ایک ایک فرد کی درجہ بندی کریں گے، (اور جیسی درجہ بندی انہوں نے کر دی ہے اس کا کچھ نمونہ تم دیکھ ہی چکے ہو) کیا ان پر نئے سرے سے وحی نازل ہوگی یا چودہ سو سال پیچھے کی طرف زقند لگا کر وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن و سنّت سُن لیں گے؟ جب وہ ماضی یا حال کے کسی بھی بزرگ کے واسطہ کے قائل نہیں، نہ کسی کی "ذہنی غلامی" کی ذلت اٹھانے کے لئے وہ تیار ہیں تو آخری "خدائی معیار" انہیں کس غار سے دستیاب ہوگا۔

۵- تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے آخری دین کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے، دین کی حفاظت جبھی ہو سکتی ہے جب کہ نصوصِ دین کے الفاظ بھی بغیر کسی تغیر و تبدل کے محفوظ رہیں، ان کے معانی بھی محفوظ ہوں۔ پھر ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خود عمل کر کے دکھایا اور صحابہ کرامؓ سے اپنے سامنے عمل کرایا، وہ بھی محفوظ ہو، اور پھر ان اعمال سے جو اسلامی ذوق، احسانی کیفیت اور دین فہمی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہ بھی محفوظ رہے۔ غرضیکہ یہ چار چیزیں ہوئیں، الفاظ، معانی اعمال اور ذوقِ دین —— ہم "ذہنی غلامی" کے بتلاؤں کا تو خیال ہی نہیں بلکہ عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ چاروں چیزیں

[1] بنیادی طور پر ٹھیک یہی نظریہ مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کا ہے۔ مدیر۔

بغیر کسی انقطاع کے محفوظ رکھیں اور جن حضرات کے ذریعہ محفوظ رکھیں وہ ہمارے محسن ہیں، مقتدا ہیں، معتمد علیہ ہیں اور ہم ان کے ذہنی غلام ہیں، ممنونِ احسان ہیں۔ کیونکہ اگر ان حضرات کو درمیان سے ہٹا دیا جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ فلاں دور میں وہ دین کے الفاظ کو یا معانی کو، یا عمل کو، یا ذوق کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے یا یہ کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو اس سے پورے دین ہی کی نفی ہو جاتی ہے۔ مگر مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق تو ان چاروں چیزوں میں سے ایک چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہی۔ کیونکہ ماضی اور حال کے بزرگوں کی 'ذہنی غلامی' میں مبتلا ہونے کی ذلت ان کے منصبِ عالیہ کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، جس کے لئے وہ کسی طرح بھی آمادہ نہیں ــــ اور اگر ان کی رعایت سے یہ تسلیم بھی کر لیں کہ قرآن و سنّت کے الفاظ محفوظ ہیں، تب بھی ان الفاظ کو معنیٰ پہناتے اور ان معانی کو عملی جامہ پہنانے اور پھر ان اعمال ریاضت سے دین کا ذوق نصیب ہونے کے مراحل باقی رہیں گے۔ اور چونکہ مودودی صاحب کسی بھی انسان کی 'ذہنی غلامی' قبول کرنے پر آمادہ نہیں اس لئے انہیں یہ سارے مراحل بغیر کسی کی امداد کے طے کرنے ہوں گے۔ اسی طرح ان کی جماعت کے ایک ایک فرد کے لئے بھی چونکہ سلف صالحین کی 'ذہنی غلامی' شجرۂ ممنوعہ ہے اس لئے انہیں بھی اپنی عقل و فہم کی پرواز سے یہ مرحلے طے کرنے ہوں گے۔ اس سے ان کے دین کا جو حلیہ بنے گا اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں حاصل یہ کہ جو شخص آج چودہ سو سال پرانے اسلام کے اندر رہنا چاہتا ہے اس کو تو حاملینِ دین سلف صالحین کی 'ذہنی غلامی' کے بغیر چارہ نہیں اور جو شخص اس ذلت کو برداشت نہیں کرتا یا نہیں کرنا چاہتا وہ خواہ کتنا ہی بلند پرواز کیوں نہ ہو اسلام کو ــــ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کو ــــ حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر سلف صالحین کے قال و حال پر اعتماد کئے بغیر اور ان کی 'ذہنی غلامی' میں مبتلا ہوئے بغیر بھی اسلام کو حاصل کرنے کا کوئی سائنٹفک طریقہ جناب مودودی صاحب نے ایجاد فرمایا ہے۔ اس کے معلوم کرنے کا متمنی ہوں۔ بشرطیکہ وہ مسٹر پرویز اور مرزا قادیانی وغیرہ ملاحدہ کے طریقہ سے ذرا مختلف ہو۔

۶۔ جناب مودودی صاحب کی شستہ بیانی اور قلم کی روانی کا میں بھی معترف ہوں۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ اپنی بلند پروازی میں ایسے الفاظ بھی استعمال فرما جاتے ہیں، جو موقعہ و محل کے اعتبار سے بالکل ہی بے معنیٰ ہوں۔ مثلاً یہی 'تنقید سے بالاتر' اور 'ذہنی غلامی' کے الفاظ کو لیجئے۔ یہ اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے بالکل مہمل ہیں۔ غور فرمائیے اگر دین اسلام کی 'ذہنی غلامی' کوئی عیب نہیں بلکہ لائق صد فخر ہے تو حاملینِ اسلام اور سلف صالحین کی پیروی اور 'ذہنی غلامی' کیوں لائق فخر نہیں اور اگر دینِ اسلام ہم ایسے جاہلوں کی تنقید سے بالاتر ہے تو جن حضرات کے واسطے سے ہمیں دین پہنچا ان کا علم و فہم تنقید سے بالاتر کیوں نہ ہوگا۔ ارشاد نبوی ــ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ[1] کا آخر کیا مفہوم ہے۔

ایک طفلِ مکتب کا تصور کیجئے، جو پہلے دن مکتب میں گیا استاذ نے اسے بغدادی قاعدہ شروع کرایا ہو، جب استاذ نے اس کو الف، ب کہلایا تو اس کے جواب میں وہ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور! میں چودھویں صدی کا مفکر ہوں، آپ کی 'ذہنی غلامی' کیوں قبول کروں، تو اس صاحبزادے کی تعلیم جس قدر 'مکمل' ہوگی وہ محتاج بیان نہیں ــــ ہم لوگ صحابہ کرامؓ اور دیگر سلف صالحین کے مقابلہ میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو اس ماڈرن صاحبزادے کی استاذ کے مقابلہ میں تھی، ہمیں دین کی ابجد انہی بزرگوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے، ان کی 'ذہنی غلامی' سے انحراف کا نتیجہ بھی اس صاحبزادے سے مختلف نہیں ہوگا۔ خدا مجھے معاف فرمائے۔ میرا خیال یہ ہے کہ سلف صالحین سے کٹ کر اور ان کی 'ذہنی غلامی' کا جوا اتار کر جو لوگ اسلام کا نقشہ مرتب کر رہے ہیں وہ سرے سے اسلام کے قائل ہی نہیں، وہ قرآن و سنّت کے الفاظ بار بار اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کفر و الحاد پھیلانے کے لئے اس کے بغیر کام نہیں چلتا، جناب مودودی

[1] میری اُمّت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔

صاحب کو میں ان لوگوں کی صف کا آدمی تو نہیں سمجھتا لیکن افسوس ہے کہ مودودی صاحب نے سلف صالحین میں سے ایک ایک بزرگ کی "ذہنی غلامی" کی نفی کر کے دور حاضر کے ملاحدہ کی "ذہنی غلامی" کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے "آزاد روی" کا وہی راستہ اپنایا ہے جس پر آج کا ماڈرن طبقہ بگٹٹ دوڑ رہا ہے۔

۷۔ جناب مودودی صاحب سلف صالحین کی اقتداء و اتباع کو "ذہنی غلامی" کا نام دے کر اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ وہی "ذہنی غلامی" ہے جس کو قرآن "سبیل المومنین" قرار دے کر اس کے چھوڑنے والوں کو جہنم رسید کرنے کی دھمکی دیتا ہے اور پھر یہ وہی "ذہنی غلامی" ہے جس کو قرآن "الصراط المستقیم" قرار دے کر اس کی ہدایت کی دعاء تلقین کرتا، اور پھر یہ وہی "ذہنی غلامی" ہے جس کے لئے مسلمان ناک رگڑ رگڑ کر پنجوقتہ دعائیں کرتے ہیں۔ کتنی مکروہ اور بھونڈی تعبیر ہے۔ جس راستہ پر مقدسین کے قافلوں کے قافلے گزرے ہیں، اس کی پیروی کو "ذہنی غلامی" بتایا جائے۔

تم نے اگر اسلامی دور میں ابھرنے والے باطل فرقوں کا مطالعہ کیا ہے تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو گی کہ ان سب کی بنیاد اسی انا ولا غیری پر استوار ہوئی، ان سب نے سلف کی "ذہنی غلامی" سے عار کی اور اپنی عقل و فہم کے بازوؤں پر تخیلات کے جنگل میں پرواز شروع کر دی، اور پھر جس کا جدھر منہ اٹھا اسی سمت اڑتا رہا۔

اسلام میں سب سے پہلا فتنہ عبداللہ بن سبا یہودی نے برپا کیا جس کی بنیاد ہی "رسول خدا کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے" پر تھی پھر اسی سبائیت کے بطن سے "فتنہ خوارج" نے جنم لیا جو بڑی شوخ چشمی سے کہتے تھے کہ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے دین کو نہیں سمجھا، ہم ان سے بہتر سمجھتے ہیں، پھر انہی بنیادوں پر معتزلہ، مرجیہ، قدریہ وغیرہ فرقے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک نے سلف کی پیروی کو "ذہنی غلامی" تصور کیا۔ فضلوا واضلوا۔ دور حاضر میں جو نئے نئے فرقے پیدا ہوئے ان میں اصول و نظریات کے اختلاف کے باوجود تمہیں یہی "قدر مشترک" نظر آئے گی۔ سلف صالحین کا مذاق اڑانا، ان کے کاموں میں کیڑے نکالنا، ان کی حیثیت کو مجروح کرنا، ان پر تنقیدی نشتر چلانا اور ان کی پیروی کو رجعت پسندی، دقیانوسیت، قدامت پرستی ذہنی غلامی جیسے القاب دینا دور جدید کا فیشن ہے۔ افسوس ہے کہ جناب مودودی صاحب نے بھی اپنی "اسلامی تحریک" کی بنیاد اسی نظریہ پر اٹھائی ہے۔ ہم جب خارجیوں کے حالات پڑھتے تھے تو ہمیں ان کی جرأت پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ ایک ایسی شخصیت کے مقابلے میں دین فہمی کا دعویٰ کر رہے ہیں جس نے آفتاب اسلام کو اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتے دیکھا جو ۲۳ سالہ دور نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق معتمد علیہ رہا۔ جو نزول وحی کے ایک ایک واقعہ کا عینی شاہد تھا جس نے اپنی زندگی بچپن سے کہولت تک اسلام پر نثار کر دی، ان لوگوں کی عقل کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ وہ اس کی دین فہمی پر تنقید کرتے تھے۔ مگر تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ آج جناب مودودی صاحب کی تنقیدوں نے (جو انہوں نے حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کبار پر کی ہیں)، خارجیوں سے متعلق ہمارا سارا تعجب دور کر دیا۔ مودودی صاحب ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ حضرت عثمانؓ "اسلامی نظام" کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے، نہ ان کے بعد کسی کو اس کی توفیق ہوئی۔ اب جناب مودودی صاحب کی "تحریک اسلامی" اسلامی نظام برپا کرے گی۔ ان ھی الا خارجیۃ جدیدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خدا کے فرشتے حیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

اَلاَ استحی ۔ ۔ ۔ ۔ الملائکۃ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۶۱)

ترجمہ: کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔

مگر مودودی صاحب ان سے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے بلکہ ان پر بے لاگ تنقید کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بے پناہ قربانیوں سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں۔

ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ۔

ترجمہ: عثمان اس کے بعد جو کچھ بھی کریں ان پر الزام نہیں۔

ما علی عثمانؓ ما عمل بعد ھذہ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ)

ترجمہ: عثمان آج کے بعد جو کچھ بھی کریں۔ ان پر الزام نہیں۔

مگر مودودی صاحب ان پر الزامات کی بوچھاڑ کرنے کو سرمایۂ فخر و مباہات سمجھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کو وصیت فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ فی اصحابی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ترمذی)

ترجمہ:۔ میرے ساتھیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنا لینا بس جس نے ان سے محبت کی پس میری محبت کی بناء پر ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر ان سے بغض رکھا۔

لیکن مودودی صاحب ان کو تنقید کی چھلنی میں چھاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر کس و ناکس کو ان پر تنقید کا حق دیتے ہیں، ان کی عیب چینی کر کے اُمّت کو ان سے نفرت و بغض رکھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ لوگ ان کی 'ذہنی غلامی' سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ جدید رنگ میں اسی خارجیت کا احیاء ہے جو صحابہؓ کے دور میں ابھری تھی۔ ولعن آخر ھذہ الامۃ اوّلھا[1]

اس تحریر کو فقیہ الامت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر ختم کرتا ہوں تاکہ ان کے ارشاد سے مودودی صاحب کے ارشادات کا نہیں، معیارِ حق، معلوم ہو سکے۔

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال من کان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ کانوا علی الھدی المستقیم (رواہ رزین مشکوٰۃ ص ۳۲)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جس کو کسی کی اقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اقتدا کرے جو فوت ہو چکے ہیں، کیونکہ زندہ آدمی فتنہ کے اندیشہ سے مامون نہیں۔ میری مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ہے۔ یہ حضرات ساری امت سے افضل تھے سب سے زیادہ پاک دل تھے۔ علم میں سب سے گہرے اور سب سے کم تکلف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت اپنے دین کی اقامت و حمایت کے لئے ان کو منتخب فرمایا۔ لہٰذا ان فضل و کمال کو پہچانو۔ ان کے نقشِ قدم پر چلو، جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت و اخلاق کو اپناؤ کیونکہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔

حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اور پوری امت کو اس زرین نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین

[1] حدیث نبوی اور امت کے پچھلے لوگ پہلوؤں پر لعن طعن کریں گے۔

بقیہ شذرہ

جس کا ایک عدد خصوصی ایڈیشن نکلتا ہے۔ وہی مساوات جو مظلوم حزبِ اختلاف کو "کوسنے" میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ لیکن اب اس میں کام کرنے والے خود ظلم کا رونا رو رہے ہیں۔ ہر چند کہ ان عزیزوں نے ہمارے قابلِ احترام رہنماؤں کے معاملہ میں کبھی انصاف نہیں کیا لیکن ہم ان کے دکھ میں شریک ہیں۔ ان پر جو ظلم ہو رہا ہے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور "قائد عوام" کی قیادت و دوستی پر فخر کرنے والوں کو کہتے ہیں کہ ذرا خبر لے لو لاہور منٹگمری روڈ پر جا کر ان کی جو "زہر آلود" فضا کے پیش نظر مرنے کو ترجیح دینے پر تُل گئے ہیں تو شاید آپ کو بھی ہوش آ جائے۔ ع

الحذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حضرت مولانا داؤد غزنویؒ

"اُمّت کو جوڑنا ان کا مشن تھا"

حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے عظیم انسان تھے قدرت نے علم کے ساتھ ساتھ انہیں حوصلہ، تدبّر، رواداری جیسی صفات سے نوازا تھا۔ موصوف جب تک دنیا میں رہے ان کا طرز عمل اس قسم کا تھا جس سے اللہ کی مخلوق ایک دوسرے کے قریب آئے نہ کہ دُور ہو حضرت لاہوری قدس سرہٗ سے آپ کو بے پناہ تعلق تھا۔ ہم آج کی صحبت میں موصوف کے خلف الرشید السیّد ابوبکر شہید کی مرتبہ کتاب "سیدی وابی" سے چند اقتباس پیش خدمت کر رہے ہیں۔ آج کے اس دَور میں جب کہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا شوق فراواں ہے۔ شاید یہ سطور کسی کے کام آجائیں :: (ادارہ)

ننگے سر نماز درست نہیں

ننگے سر نماز پڑھنا مولانا کو ناگوار گزرتا تھا۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ مسجد چینیانوالی میں بیٹھے تھے کہ ملک محمد رفیق جوان کے پرانے عقیدتمندوں اور حلقہ مسجد چینیانوالی کے رہنے والے تھے۔ ان کی موجودگی میں مسجد میں آگئے۔ اور ننگے سر نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو ان کو بلایا اور فرمایا "ملک صاحب" ایک بات عرض کروں؟ انہوں نے کہا۔ مولانا فرمائیے۔ کیا ارشاد ہے۔ کہا: ننگے سر نماز نہ پڑھا کریں"۔ ص ۱۳۴ (سیدی وابی)

ائمہ کرام کا احترام

ائمہ کرام کا ان کے دل میں انتہائی احترام تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی بے حد عزت سے لیتے تھے۔ ایک دن میں (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ جماعت اہل حدیث کی تنظیم سے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ بڑے دردناک لہجے میں فرمایا: مولوی اسحٰق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابوحنیفہؒ ابوحنیفہؒ کہہ رہا ہے کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد یک جہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟

یَا غُربَۃَ العُلَمَاءِ اِنَّمَا اَشکُوا بَثِّی وَحُزنِی اِلَی اللہِ (صفحہ ۱۳۶)

تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلّم

بعض لوگ توحید بیان کرتے ہوئے انبیاء اور اولیاء کا ذکر ناشائستہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت کو یہ بات بہت ناگوار ہوتی تھی، چنانچہ تعلیقات میں لکھتے ہیں۔

یہ بہت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ فرق مراتب بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر اس طرح نہ کریں کہ اس سے ادب کے خلاف کوئی لفظ زبان پر آجائے مثلاً علم غیب کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح اگر کوئی کہہ دے کہ آپؐ غیب وغیب کچھ نہیں جانتے تھے (معاذاللہ) تو یہ سوء ادب ہوگا۔ اور آپؐ کی شان میں سوء ادب کفر کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے آپؐ

کے متعلق یہ آداب بیان فرمائے ہیں "اور اپنی آواز پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ اس طرح اُن کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

(حجرات - ۲) صفحہ ۲۴۱ - ۲۴۲)

غیر اللہ سے مرادیں مانگنا

فرماتے تھے! بعض لوگ قبروں سے تو مرادیں نہیں مانگتے لیکن امراء رؤسا اور حکام کے دروازوں کی دھول چاٹتے ہیں۔ محض قبروں پر چادر نہ چڑھا کر اور چراغ نہ جلا کر یہ سمجھنا کہ توحید کے سب تقاضے پورے ہو گئے ہیں۔ بہت بڑی خود فریبی ہے۔ قرآن نے جہاں بھی توحید بیان کی۔ "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" میں شامل نہیں ہیں؟ ـــ یہ کیا منطق ہوئی ـــ؟ توحید کا یہ تصوّر ان لوگوں نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کی توحید تو بڑی انقلاب آفرین ہے۔ (صفحہ ۲۴۵)

روضۂ رسولؐ عرش سے افضل ہے

مقام رسالت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن قیمؒ کا یہ قول مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔ کسی شخص نے حافظ ابن قیم سے پوچھا کہ روضۂ اطہر افضل ہے یا کعبہ؟ تو حافظ ابن قیم نے فرمایا۔

اگر تمہاری مراد محض حجرہ نبویؐ سے ہے، تو کعبہ افضل ہے اور اگر تمہاری مراد جسدِ اطہر سمیت روضہ انور سے ہے تو خدا کی قسم وہ عرش سے افضل ہے حاملین عرش سے افضل ہے۔ جنتِ عدن سے افضل ہے۔ گردش کرنے والے افلاک سے افضل ہے۔ اس لئے کہ روضہ میں ایک ایسا جسد اطہر ہے۔ کہ اگر دونوں جہانوں کے ساتھ بھی اسے تولا جائے۔ وہ بھاری ہے۔ (صفحہ ۲۴۶)

بزرگوں کا ادب

فرماتے ہیں کہ شیخ علاؤ الدین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ اپنے مشائخ سے ایک اعتبار سے آگے نکل گئے تھے۔ مگر فرماتے بھی تھے۔

"اگر سر من باسمان ساید، ہنوز خاکِ آستانہ مشائخ من بالا شد۔"

اگر میرا سر آسمان سے بھی جا لگے تو میرے مشائخ کے آستانے کی خاک بھی مجھ سے برتر ہے (صفحہ ۲۵۲)

بیعت طریقت سنت رسولؐ ہے

بیعت طریقت کے بارے میں حضرت والد علیہ الرحمۃ (مولانا محمد داؤد غزنویؒ) کی رائے وہی تھی۔ جس کا اظہار حضرت شاہ ولی اللہ نے "القول الجمیل" میں کیا۔ بیعت طریقت کو مسنون اور موجب برکات سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں صرف بیعت اسلام اور بیعت جہاد ہی تھی۔ مسلم شریف، ابوداؤد اور نسائی کی اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے۔

حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حاضر تھے۔ ہم سات آدمی تھے یا آٹھ نو ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسولؐ سے بیعت نہیں کرتے ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ! کس امر پر آپ کی بیعت کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان باتوں پر بیعت کرو کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ گے اور پانچ وقت نماز پڑھو گے اور احکام توجہ سے سنو گے اور اطاعت کرو گے اور ایک بات آہستہ کہی اور وہ یہ تھی کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بعض افراد کو دیکھا کہ ان میں سے کسی کا کوڑا گر جاتا ہے تو وہ بھی کسی سے نہ مانگتا۔ کہ اسے اٹھا کر دے دے۔

فرماتے تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخاطب صحابہ کرام ہیں اس لئے یہ بیعتِ اسلام نہ تھی۔ اور بیعت کے مضمون سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہ تھی۔ بلکہ اعمال صالحہ کے التزام واہتمام پر بیعت لی گئی اور صوفیائے کرام کے ہاں جو بیعت معمول ہے۔ اس کی حقیقت بھی اعمال صالحہ کے التزام واہتمام کا معاہدہ ہے۔ (صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰)

تقلیدِ ائمہ

فرماتے تھے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ اور عوام کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ

سے بے بہرہ ہونے کے باوجود، ائمہ کرام کے اقوال کو ٹھکرا دیا کریں اور بے زمام اور بے مہار ہو کر جو چاہیں کریں تو وہ صریحاً غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ (صفحہ ۳۷۳)

ائمہ دین نے جو دین کی خدمت کی ہے، امت قیامت تک ان کے احسان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے نزدیک ائمہ دین کے بیے جو شخص دل میں سوءِ ظن رکھتا ہے یا زبان سے ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے یہ اس کی شقاوت قلبی کی علامت ہے۔ اور میرے نزدیک اس کے سوئے خاتمہ کا خوف ہے۔ ہمارے نزدیک ائمہ دین کی ہدایات و روایات پر امت کا اجماع ہے۔ (ص ۳۷۳)

• ایجنٹ صاحبان بنک ڈرافٹ بھیجتے وقت "منیجر ہفت روزہ خدام الدین لاہور" اور "نیشنل بنک بادامی باغ لاہور برانچ" لکھیں

آداب ملاقات

آداب معانقہ و مصافحہ

(۱) اگر کسی کا ہاتھ زخمی ہو تو اس وقت اس سے مصافحہ نہ کیا جائے (۲) اگر کوئی تیزی سے دفتر یا گاڑی پر سوار ہونے کے لئے جا رہا ہو تو اس سے مصافحہ یا معانقہ نہ کیا جائے، ہو سکتا ہے کہ اگر اس کو مصافحہ یا معانقہ میں مصروف کر لیا جائے تو دفتر پہنچنے میں دیر ہو جائے گی یا گاڑی چھوٹ جائے گی (۳) کسی مجلس میں اگر چالیس یا پچاس آدمی بیٹھے ہوں اور کسی اہم معاملہ پر غور کر رہے ہوں تو آنے والے کے لئے ادب کا تقاضا یہی ہے کہ وہ محض سلام پر اکتفاء کرے کیونکہ اگر وہ مصافحہ یا معانقہ کرنے لگ گیا تو ان کا سلسلہ گفتگو ٹوٹ جائے گا۔ (۴) بیمار آدمی، ضعیف و ناتواں اور نازک مزاج آدمی سے مصافحہ یا معانقہ نہ کیا جائے (۵) دیر تک کسی سے معانقہ نہ کئے رکھے۔ (۶) معانقہ میں تکلف خود نمائی کا رنگ نہ ہو کیونکہ یہ دونوں چیزیں مہر و محبت سے خالی ہیں اور اس پر ثواب نہیں ملتا۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انتقالِ پُر ملال

• کتنی اندوہناک ہے یہ خبر کہ جناب حکیم عبدالسلام ہزاروی انتقال فرما گئے۔

حضرت مدنی، مولانا آزاد، حضرت لاہوری اور امیر شریعت قدس اللہ اسرارہم جیسے لوگوں کے رفیقِ سفر، نامور طبیب و حکیم، جمعیۃ علماء اسلام کے عظیم المرتبت قائد۔ رات کو فون سے اطلاع ملی۔ انتہائی دکھ ہوا۔ حضرت درخواستی، مفتی محمود اور مولانا انور نے انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا اور اپنے عظیم ساتھی کی جدائی کو شدت سے محسوس فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے!

• دہلی دروازہ لاہور میں موجود واقع مشہور قمر ہوٹل کے مالک حاجی علاؤالدین صاحب انتقال کر گئے۔ جناب ازہر مرزا صاحب نے خبر سنائی۔ عجیب ماجرا ہے کہ موصوف نے جمعہ کی نماز حسب معمول شیرانوالہ میں پڑھی۔ ہفتہ کی صبح ہوٹل پر تشریف لائے۔ اچانک دل کی حرکت نے ساتھ چھوڑ دیا۔

مرحوم حضرت لاہوریؒ اور شاہ جیؒ کے فدائی تھے۔ اکابر پر جی جان سے نثار تھے۔ جماعت کے انتہائی مخلص ورکر! اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ ہم ان کے لیے دعا گو ہیں۔ خدا ان کے اعزہ کو صبر کی توفیق بخشے!

• جناب عثمان غنی صاحب آف واہ کینٹ سے حلقہ کے احباب خوب واقف ہیں۔ موصوف کی والدہ محترمہ کچھ دن پہلے انتقال کر گئیں اور اب اہلیہ محترمہ! خداوند قدوس انہیں ان حادثات و صدمات کے سہنے کی توفیق بخشے۔ اور والدہ اور اہلیہ کو مغفرت سے نوازے۔

• حضرت مولانا غلام رسول کے بھائی مولانا نور عالم چک ۵۳ سرگودھا کی وفات کی خبر ملی از حد صدمہ ہوا۔ خداوند قدوس سے دعا ہے کہ موصوف کو مغفرت نصیب ہو اور پسماندگان کو صبر جمیل۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اُمیدواران قومی و صوبائی اسمبلی توجّہ فرمائیں!

قومی اسمبلی کے ہر صاحبِ ثروت امیدوار پانصد روپیہ اور صوبائی اسمبلی کے امیدوار تین صد روپیہ جمعیت کے الیکشن فنڈز کے لیے مرحمت فرما کر دینی حمیّت کا ثبوت دیں۔ الیکشن مہم چلانے کے لیے اس امر کی اشد ضرورت ہے۔

(حضرت مولانا) محمد شریف وٹو
نائب امیر مرکزیہ جمعیت علماء اسلام چوک رنگ محل لاہور

پولنگ ایجنٹس کی تقرری، کاغذاتِ نامزدگی کی واپسی اور زرِ ضمانت کے متعلق

وضاحت

از سید عطاء الرحمٰن جعفری سکریٹری مرکزی پارلیمانی بورڈ

پولنگ ایجنٹس کی تقرری انتخابی قوانین کے تحت ایک پولنگ سٹیشن پر ہر امیدوار صرف اتنے ہی پولنگ ایجنٹ تعین کر سکتا ہے جتنے پولنگ بوتھ اس سٹیشن پر ہوں گے۔

کاغذاتِ نامزدگی کی واپسی ایک امیدوار تحریری نوٹس جو وہ خود یا اس کا ایجنٹ متعلقہ ریٹرننگ آفیسر کو پیش کرے کہ وہ الیکشن سے دستبردار ہوتا ہے۔ صرف اسی طرح وہ اپنا نام واپس لے سکتا ہے۔ اور یہ نوٹس کاغذات کی واپسی کی مقررہ تاریخ سے قبل ریٹرننگ افسر کو موصول ہونا چاہیے تاکہ امیدوار کی زرِ ضمانت ضبط نہ ہو سکے۔ نام واپس لینے کی تاریخ کے بعد اگر کوئی امیدوار الیکشن میں حصہ نہیں لیتا تو وہ پھر بھی امیدوار تصور ہوگا اور اس کا نام بیلٹ پیپر پر ہوگا۔

زرِ ضمانت زرِ ضمانت ان امیدواروں کی ضبط ہوگی۔ جو پول ہونے والے ووٹوں یعنی اس حلقہ میں جتنے ووٹ متعلقہ سیٹ کے لیے ڈالے گئے ہیں ان کے آٹھویں حصہ سے کم ووٹ حاصل کرے گا۔ بصورتِ دیگر انتخابات کا نتیجہ نکلنے کے بعد ہر امیدوار ریٹرننگ افسر کو درخواست دے کر زرِ ضمانت واپس لے سکتا ہے۔

- بُروں کی صحبت سے تنہائی بدرجہا بہتر ہے اور تنہائی سے اہل علم کی صحبت بہتر ہے۔ (حضرت صدیق رضؓ)
- جو تجھے تیرے عیوب سے آگاہ کرے وہ تیرا دوست ہے۔ منہ پر تعریف کرنا ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ (حضرت عمرؓ)

- بنک ڈرافٹ، منی آرڈر یا دفتری کاروباری خطوط پر صرف "منیجر ہفت روزہ خدام الدین اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور" لکھیں ادارہ کے کسی کارکن کا نام دفتری خطوط پر نہ لکھیں۔ بصورت دیگر تعمیل میں تاخیر کا امکان ہے۔ (ادارہ)

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لیے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہیں۔ تبصرہ باری باری ہوگا۔

تفسیر "مواہب الرحمٰن"

ایک گرانقدر اور عظیم کتاب

جس کے بغیر کوئی کتب خانہ مکمل نہیں ہوگا۔

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ خیز سال گزرا تو ملیح آباد کی مردم خیز زمین میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام والدین نے "امیر علی" رکھا۔ یہ بچہ آگے چل کر دنیائے علم کا ایک ایسا گوہر تابدار ثابت ہوا کہ دنیا نے اسے "بحر العلوم" کے نام سے یاد کیا۔

اس عظیم انسان نے ایک مدت تک لکھنؤ کے مشہور عام مطبع "نولکشور" میں تصحیح و مقابلہ کا کام کیا۔ پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ اور جدہ (سعودی عرب) میں مدت تک تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۱۵ء میں لکھنؤ کی مشہور عالم درسگاہ "ندوۃ العلماء" کے ارباب حل و عقد کی درخواست پر وہاں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں وفات تک کام کیا۔

اس عظیم انسان نے فقہ حنفی کی مشہور زمانہ کتاب "ہدایہ" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ غازی اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے دور میں علماء کی ایک عظیم جماعت کی محنت سے مرتب ہونے والی کتاب "عالمگیری" جو درحقیقت نظام مملکت کے لیے مرتب ہوئی تھی کا ترجمہ کیا اور اس طرح اردو دان طبقہ پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ یہ ترجمہ لاہور کے ایک ناشر نے بہت پہلے شائع کیا لیکن افسوس کہ انہوں نے کتاب، اس کے عظیم المرتبت مرتبین اور مترجم کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

موصوف کا سب سے عظیم کارنامہ تفسیر مواہب الرحمٰن ہے۔ یہ تفسیر اردو زبان میں ہے اور بڑے سائز کے تقریباً ۹ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع نولکشور لکھنؤ نے دو مرتبہ اس کو طبع کرایا۔ اور جب پہلی دفعہ طبع کرایا تو یہ اعلان کیا کہ:-

> "تفسیر مواہب جس کا مثل و نظیر نہ اب تک ہوا ہے اور نہ غالباً آئندہ ہوگا۔ اس جامعیت کے ساتھ کوئی تفسیر قرآن شریف جس میں کل اقوال مفسرین جمع ہوں آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔"

یہ اعلان آج سے نصف صدی سے زائد عرصہ پہلے کا ہے لیکن اس کو آج بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ موصوف نے اس سلسلہ میں "ما انا علیہ و اصحابی" کے ارشادِ نبوت کا اتباع کرتے ہوئے توسط و اعتدال کی ٹھیٹھ اسلامی روش کو پوری کتاب میں اپنایا ہے اور کسی مرحلہ پر بھی ان کا قلم جادۂ حق و اعتدال سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔

مرحوم نے اس میں تمام مسلم تفاسیر کا عطر و نچوڑ اور حضرات مفسرین کی آراء اس خوبی سے جمع کی ہیں کہ بے ساختہ دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ وہ اقوال صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین و محدثین کے اقوال بڑی کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور ان کے اختلاف کو امت کے لیے باعث رحمت قرار دیتے ہیں کہ یہی ارشاد نبوت ہے۔

جو لوگ سلف کی علمی تعبیرات و توجیہات میں پیش آنے والے اختلافات کو بنیاد بنا کر جنگ و جدال کی عمارتیں بلند کرتے ہیں ان کے خلاف آپ کی روش بڑی سخت ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے والے لوگوں کی مثال ان پیاسوں کی مانند ہے جو گھاٹ پر پانی پینے کے لیے جاتے ہیں لیکن لڑ جھگڑ کر اپنا سر پھوڑ لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ائمہ مجتہدین کی مختلف آراء کا چونکہ منبع و ماخذ اللہ کی

کتاب اور نبی کی سنت ہے۔ اس لیے وہ سب کا انتہائی احترام فرماتے ہیں اور لڑائی جھگڑے کی رسیا ذہنیت کو یقیناً آخرت سے محروم یا کم از کم تردد و شک کے مرض کا مریض بتلاتے ہیں۔

اس کے علاوہ تفسیر میں "سالکان راہِ طریقت" کے لیے اتنا ذخیرہ ہے کہ تصوف و سلوک کے پورے دفاتر گویا سمٹ کر اس میں آ گئے ہیں۔ بعض ایسی کتابیں جو اہل سلوک کی تصوف کا عظیم سرمایہ ہیں لیکن ناپید ہیں ان کے اس کثرت سے حوالے آپ کو ملیں گے کہ آپ ادھر ادھر سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ لیکن ایک مدت سے یہ نادر و نایاب علمی ذخیرہ ناپید تھا اور کسی قیمت پر بھی دستیاب نہ تھا۔

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور کے باہمت مالکان جو تفسیر روح المعانی جیسی عظیم و ضخیم تفسیر بالاقساط شائع کر کے اہل علم کی بیش بہا خدمت کر چکے ہیں، نے اس ذخیرہ علمی کو اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کا منصوبہ بنایا۔

۹ ہزار صفحات پر مشتمل یہ علمی ذخیرہ دس جلدوں میں بالاقساط سامنے آئے گا۔ جن میں سے پہلی جلد جو مقدمۃ الکتاب، سورۃ فاتحہ اور ابتدائی تین پاروں پر مشتمل ہے اور ایک ہزار کے قریب صفحات پر محیط ہے ہمارے سامنے ہے ــــ باہمت مالکان مکتبہ نے انتہائی عمدہ اور بڑھیا کاغذ پر بڑے مناسب اور خوبصورت سائز میں یہ تفسیر پیش کرنے کا عزم کیا ہے۔ جلد اتنی خوبصورت اور نفیس ہے کہ سبحان اللہ!

یہ عظیم و ضخیم کتاب سات سو روپیہ میں پوری کی پوری ملے گی لیکن ظاہر ہے کہ اتنی بڑی کتاب ایک وقت میں چھاپنا اور خریدنا کسی کے بس میں نہیں۔

اس لیے مکتبہ کے مالکان نے قسط وار شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ پہلی جلد چھپ گئی ہے دوسری چھپ رہی ہے، تیسری بھی فوراً آ جائے گی اور اس طرح تھوڑی سی تاخیر کا مداوا ہو جائے گا۔ اور پھر ۲ ماہ کے وعدہ کے مطابق باقی جلدیں مکمل ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اہل علم کے لیے رعائتی پیش کش یہ ہے کہ سات سو روپے کا یہ ذخیرہ علمی -/۵۹۰ روپے میں مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ اتنی رقم پیشگی جمع کرا دی جائے۔ اس صورت میں ڈاک خرچ بھی مکتبہ برداشت کرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ -/۵۰ روپے پیشگی جمع کرا دیں اس صورت میں -/۱۰۵ روپے کی رعایت ہوگی۔ اور ہر جلد وی پی ہو کر ملے گی۔ یہ پچاس روپے آخری جلد میں منہا ہوں گے۔

اہل مکتبہ کی خواہش تھی کہ اس عظیم تفسیر پر مزید علمی کام ہو چنانچہ ہزارہ کے دور دراز علاقوں کے ایک صاحب علم اور صاحب ذوق بزرگ خواص خان صاحب نے پوری تفسیر کو تین بار بالاستیعاب پڑھ کر جو اشاریہ طیار کیا وہ مکتبہ والوں نے حاصل کر لیا۔

یہ اشاریہ بذات خود ایک مستقل جلد پر مشتمل ہوگا۔ اور مواہب الرحمٰن کے قارئین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔ مرتب موصوف کی محنت پر بے ساختہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ آفرین ہے اہل مکتبہ پر کہ انہوں دور دراز کے علاقوں میں موجود ایک صاحب ذوق بزرگ کو ڈھونڈ نکالا اور ان کی علمی محنت ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا لیا۔

ہم اپنے قارئین اور بالخصوص ارباب مدارس سے گذارش کریں گے کہ ان کے کتب خانوں میں اس تفسیر کی عدم موجودگی کتب خانہ کے ناقص ہونے کی دلیل ہوگی۔ یہ ذخیرہ علمی جو محدود طور پر شائع ہو رہا ہے کو حاصل کرنے کے لیے جتنی جلدی کریں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ اس میں جہاں آپ کو بیش بہا فائدہ ہوگا وہاں اہل مکتبہ کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اور وہ مزید اس قسم کی خدمات کر سکیں گے۔

مکتبہ رشیدیہ اہل حق و صداقت کے جواہر پارے انتہائی خوبصورت طریق سے شائع کرنے والا ملک کا واحد ادارہ ہے۔ اس کے ساتھ تعاون ہمارا فرض ہے۔

آیت کریمہ

۲۷ جنوری بروز جمعرات بعد نماز مغرب

ایک اہم ترین فتوےٰ

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی
جامعہ اشرفیہ لاہور

★

ہمارے ایک کرم فرمانے ایک فتویٰ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کی خدمت میں ارسال کیا، جس کے بعض حصے تو موصوف کے، بعض عزیزوں کی وراثت کی تقسیم سے متعلق ہیں اور بعض حصے ایسے ہیں جن کی ہر کسی کو ضرورت ہے۔ ہم یہ اہم فتویٰ پورے کا پورا اس لیے شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ آج کے دور میں ان اہم ترین مسائل میں جو غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل جاری ہے، اس کا ازالہ ہو سکے۔

(مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی۔ ازراہ کرم مندرجہ ذیل مسائل کا شرعی حل تحریر فرما کر ہفت روزہ خدام الدین میں اشاعت کے لیے بھجوا دیں۔ تاکہ اس دور کے رواج پسند مسلمانوں اور بہنوں، بیٹیوں کے حقوق ناجائز طور پر غصب کرنے والوں کی راہ نمائی اور ہدایت کے علاوہ انکار کرنے والوں پر اتمام حجت بھی ہو جائے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء ـــــ

الاستفتاء ۱۔ ایک شخص کے ہاں چار بیویاں کرنے کے باوجود کوئی اولاد زندہ موجود نہیں رہی۔ تین بیویاں فوت ہو چکی ہیں۔ اس وقت اس کی صرف ایک منکوحہ اور دو حقیقی بہنیں اس کی وارث ہو سکتی ہیں ـــــ لیکن اس نے کسی رنجش کی وجہ سے بڑی بہن کو حق وراثت سے محروم کرنے کی خاطر اپنی چھوٹی بہن کے لڑکے کو اپنی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ لکھ دی ہے۔ اس کے اس غلط اقدام سے اس کی بیوی بجز ۱/۴ حصہ ترکہ میں حقدار ہو سکتی ہے اور دو حقیقی بہنیں بھی ۲/۳ حصہ حق شرعی سے محروم ہو گئی ہیں۔ اس ظلم اور حق تلفی اور شرعی حقداروں کی وراثت سے جبری محرومی کا سدباب اگر ہو سکتا ہو تو وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

۲۔ ایک مقامی جاگیردار کی وفات کے بعد اس کی بیوہ، دو لڑکے اور چار لڑکیاں موجود ہیں۔ میت کا ترکہ کم و بیش ایک کروڑ روپیہ بتایا جاتا ہے۔ اس کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کی شرعی تقسیم کیسے ہو گی ـــــ اگر والدہ اور بہنوں کو کچھ دے دلا کر یا کہہ سن کر شرعی حقوق سے دستبرداری نامے لکھوا لئے جائیں تو اس حیلہ سازی میں کوئی شرعی قباحت اور حرج تو نہ ہو گا۔ رواجی رسمی شرم کی ماری ماں اور بیچاری بہنوں کی بادلِ ناخواستہ رضامندی کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

۳۔ میرے خاندان کے بڑے آدمی کی وفات کے موقع پر اس کی بیوہ، تین لڑکے اور ایک لڑکی میت کے ترکہ کے وارث موجود تھے۔ ابھی ترکہ کی تقسیم کا سوال بھی نہیں اٹھا تھا کہ مرحوم کی بیوہ بھی اللہ میاں کو پیاری ہو گئی۔ اب مرحوم کے ترکہ کے حقدار صرف تین لڑکے اور ایک لڑکی رہ گئے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک لڑکا (کنوارا) کافی مال رزاقی، چھوڑ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اب باپ اور ماں کے علاوہ مرحوم بھائی کے ترکہ کے وارث دو بھائی اور صرف ایک بہن رہ گئے۔ تقسیم میراث کا عمل جاری ہونے سے پہلے دوسرا بھائی بھی ایک بیوہ، تین لڑکے اور دو لڑکیاں یتیم چھوڑ گیا۔ قضاء الٰہی بھائی کی بیوہ بھی یتیم بچوں کا ساتھ چھوڑ گئی ـــــ لہٰذا میرے خاندان کے یکے بعد دیگرے پانچ افراد موت کی آغوش میں جا چکے ہیں۔ اور اس وقت پسماندگان میں میں خود، میری ایک حقیقی بہن کے علاوہ پانچ یتیم بچے بھتیجے (تین لڑکے

اور دو لڑکیاں اور اکبر کے وارث موجود ہیں

تقسیم میراث کا عمل جاری نہ رہنے کی وجہ سے جو صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔ اس کی تلافی کا شرعی حل تجویز فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ مجموعی ترکہ کا تخمینہ ایک لاکھ روپیہ ہو سکتا ہے۔

۴۔ ایک دینی درسگاہ کے اخراجات و اخراجات کے لئے چندہ دہندوں نے مل کر چندہ کی فراہمی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جس میں عطیات و صدقات کے علاوہ زکوٰۃ کی رقم بہت زیادہ جمع ہو رہی ہے۔ مستحق طلباء کی خوراک پوشاک اور وظائف کا بہترین نظام چل رہا ہے۔ مگر علماء اور استادوں کے مشاہرات میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے جو مجبوراً زکوٰۃ کی رقم سے بذریعہ فرضی تملیک ادا کی جاتی ہے۔ یعنی کسی گمنام شخص کو حسب ضرورت رقم زکوٰۃ خرچ رکھا کر واپس کسی دوسرے فرضی نام سے جمع کر لی جاتی ہے اور علماء و اساتذہ کی تنخواہوں کا حیلہ ہو جاتا ہے۔ اس فرضی تملیک اور حیلہ سازی کے متعلق شرعی احکام سے آگاہ فرمائیں اور عند اللہ اجر جزیل حاصل فرمائیں۔

اسلام کے اقتصادی نظام میں میراث، زکوٰۃ، خیرات، صدقات اور اوقاف مستقل شعبے ہیں اور ہر شعبے کے مختلف آمد و خرچ کے احکام ہیں۔ مگر آج کل انگریزی تعلیم و تقلید کے شیدائی احکام شرعی کی پرواہ کئے بغیر من مانے اور غیر شرعی اصول و قواعد اپنا کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم عدولی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلائے، نامرضیات سے بچائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

میری ناقص سمجھ میں تقسیم میراث کا عمل اجتماعی طور پر رک جانے کی وجہ سے دنیا میں سوشلزم (یعنی چھینا جھپٹی) اور آخرت میں جہنم کا خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔

خیر طلب

فقیر عبد الواحد بیگ مرحوم۔ محلہ سادات ملتان

الجواب

بسملاً و محمدلاً و مصلیاً و مسلماً

۱۔ جب تک انسان زندہ تندرست ہے وہ خود ہی ہر مملوک چیز کا مالک ہے۔ نہ کسی اولاد کی اس میں شرکت ہے نہ بیوی کی اگر وہ خود تمام کو بیچ کر دے یا وقف کر دے یا رہن کر دے اس کو حق ہے۔ کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ وارثوں کا حق بعد وفات ہوتا ہے زندگی میں کچھ نہیں۔ صرف بیوی کا اور نابالغ اولاد کا نفقہ ہے۔ اس کو یہ بھی حق ہے کہ کسی غیر کو کل ہبہ کر کے قبضہ دیدے۔ کسی وارث ہونے والے کو روکنے کا حق نہیں۔ تو اگر اس نے بھانجے کو ہبہ کر دیا اور قبضہ بھی کرا دیا تو کل بھانجے کا ہو گیا خود اس کا بھی نہیں رہا۔ نہ موت کے وقت یہ اس کا مالک ہو گا نہ یہ میراث بن کر وارثوں کا ہو گا۔ اگر بھنویں میں دوسری بہن معذور ہو بے کس و بے بس ہو تو اس کو ایسا کرنا گناہ تو ہو گا مگر ہبہ صحیح رہے گا۔

افسوس ہے کہ آپ لوگ سمجھدار اور پڑھے لکھے ہو کر ایسے لفظ لکھ رہے "ظلم"، "حق تلفی"، "شرعی حقداروں کی وراثت سے جبری محرومی"! آدمی اپنے مال کا مالک ہے۔ جب وہ زندہ تندرست ہے کیسا حق، کیسی وراثت۔ اس کی زندگی میں ایک پائی بھی کسی کا نہیں۔ حق اور میراث سب وفات کے بعد ہو گا۔ زندگی و تندرستی میں جو چاہے کرے۔ کسی کو چوں و چرا کا حق نہیں۔ کوئی اور مالک ہی نہیں۔ وہ بھانجے کو ہی نہیں کسی غیر کو بھی ہبہ کر دے تو کسی کو کوئی حق نہیں۔ جیسے بیع وقف رہن میں کوئی روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ یہ غلط مشہور ہو رہا ہے۔ اس کی تردید کرنی ضروری ہے۔ عالمگیری، در مختار، شامی سے یہ سب ماخوذ ہے۔

۲۔ وفات کے بعد سب وارث مالک ہو چکے ہیں۔ اگر ان کو دھوکہ نہیں دیا گیا، دھمکی نہیں دی گئی کہ اگر وہ دستبردار نہ ہوں گی تو نہ مل سکے گا، وغیرہ وہ خوشی خوشی اور یہ سمجھ کر کہ ایک کروڑ کی مالیت میں سے ۱/۴ لڑکی کا حصہ ہے۔ پھر کل معاف کر دیں یا کچھ رہے ہیں کچھ معاف کر دیں ان کو حق ہے مگر جبر و قہر سے معاف نہیں ہو گا نہ اس دھوکہ سے ان کا کم ہو گا یا ان کو مل نہیں سکتا وغیرہ وغیرہ سے نہیں ہو گا۔

۳۔

مسئلہ ۵۶ / ۲۸۰	بیوی ۷	لڑکا ۱۴	لڑکا ۱۴	لڑکا ۱۴	لڑکی ۷		متوفی
۵	لڑکا ۲	لڑکا ۲	لڑکی ۱ تباین	لڑکی ۱			مسئلہ ۱۶ [illegible]
۸	بھائی ۲/۳۲	بھائی ۲/۳۲ تداخل	بہن ۱/۱۶	۱۱۲			[illegible]
	لڑکا ۲/۲۸	لڑکا ۲/۲۸	لڑکا ۲/۲۸	لڑکی ۱/۱۴	لڑکی ۱/۱۴	بھائی محروم	بہن محروم

[illegible] ۱۱۲ [illegible] ۵۶ ۳۲ ۲۸ ۱۴ [illegible] ۲۸۰

انسان کا دم نکلتے ہی وارث لوگ ہر چیز کے مالک

[illegible] ۳۲ [illegible]

ماخوذ من الدر المنثور

تحقیق: الامام جلال الدین سیوطیؒ

ترجمہ و تلخیص: زاہد الراشدی

مسواک

انبیاء کرام کی سنت، بینائی میں اضافہ، بلغم سے نجات، جبڑوں کی مضبوطی

ابن ابی حاتمؒ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالےٰ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے

ابن ابی شیبہؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائی اور ابن ماجہؒ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس چیزیں فطرت سے ہیں۔ ۱۔ مونچھوں کا کاٹنا ۲۔ داڑھی کا بڑھانا ۳۔ مسواک ۴۔ ناک میں پانی ڈالنا اور صاف کرنا ۵۔ ناخن کاٹنا ۶۔ انگلیوں کے درمیان جگہوں کا دھونا ۷۔ بغلوں سے بال اکھاڑنا ۸۔ زیر ناف بال مونڈنا ۹۔ پانی کے ساتھ استنجا کرنا ۱۰۔ کلی کرنا۔

طبرانیؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک منہ کو پاک کرنے والی اللہ تعالےٰ کو راضی کرنے والی اور بینائی میں اضافہ کرنے والی ہے۔

ابن عدیؒ اور بیہقیؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر مسواک ضروری ہے، کیونکہ وہ منہ کو پاک کرنے والی ہے، رب کو راضی کرنے والی اور فرشتوں کو خوش کرنے والی ہے۔ نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے اور سنت ہے بینائی کو روشن کرتی ہے دانتوں کی میل کو زائل کرتی ہے۔ جبڑوں کو مضبوط کرتی ہے، بلغم کو دور کرتی ہے اور منہ کو پاک کرتی ہے۔

بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہو تو ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دے دوں۔

بزارؒ ابویعلیؒ اور طبرانیؒ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کا ہمیشہ ذکر کرتے تھے حتیٰ کہ ہمیں یہ خدشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں قرآن کریم میں مسواک کا حکم نہ نازل ہو جائے۔

بزارؒ اور بیہقیؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسواک کے ساتھ ادا کی گئی دو رکعتیں بغیر مسواک کے ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔

احمد اور ابویعلیؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مسواک کا اتنی بار حکم دیا گیا کہ مجھے گمان ہونے لگا کہیں اس کے بارے میں قرآن پاک کی آیت نہ نازل ہو جائے۔

طبرانیؒ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام مجھے بار بار مسواک کے بارے میں تلقین کرتے ہیں حتیٰ کہ مجھے اپنی داڑھی پر خوف محسوس ہونے لگا ہے۔

بزارؒ اور الحکیم الترمذیؒ حضرت ملیح بن عبداللہ الخطمی کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں ۱۔ حیا ۲۔ بردباری ۳۔ حجامت ۴۔ مسواک ۵۔ عطر لگانا۔

طبرانیؒ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے اور صبح بیدار ہونے کے بعد ہمیشہ مسواک کیا کرتے تھے۔

ابن ماجہؒ اور ابونعیمؒ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے منہ قرآن پاک کے راستے ہیں ان کو مسواک کے ساتھ پاک صاف کرو۔

رجسٹرڈ ایل نمبر
۷۰۷۴

ہفت روزہ
خدام الدین لاہور

فون نمبر
۶۷۵۴۵

منظور شدہ: ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۲۳۲۱۵ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۵۷ء ۲- پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۷۶-۲۲۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۷ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۳۹/۹۷-۲۰ DDA 9 مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۴ء، (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی G.M/۳۰-۱۵۲۱ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء

ابن السنیؒ اور ابو نعیمؒ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسواک انسان کی فصاحت میں اضافہ کرتی ہے۔

ابن السنیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت اور مسواک بلغم کو دور کرتی ہے۔

ابو نعیمؒ حضرت عبد اللہ بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو انہیں سحری کے وقت مسواک کا حکم دوں۔

عقیلیؒ اور ابو نعیمؒ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پہ جاتے تو مسواک، کنگھا، سرمہ دانی، شیشہ اور پانی کا برتن ساتھ رکھتے تھے۔

ابن ابی شیبہؒ حضرت حسان بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک کرو اور خوب پاکیزگی حاصل کرو اور طاق عدد کا خیال رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ طاق عدد کو پسند کرتے ہیں۔

ابن ابی شیبہؒ اور ابو داؤدؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن یا رات کو جب بھی بیدار ہوتے تھے وضو سے پہلے مسواک کرتے تھے۔

ابن ابی شیبہؒ، مسلمؒ، ابو داؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے کیا عمل کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا مسواک۔

بقیہ فتویٰ

ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایک روزِ اول سے مالک تھا کل جس کے قبضہ میں ہے، وہ جواب دہ ہے۔ اس سے آمدنی وصول کی جا سکتی ہے۔ یا وہ معاف کرالے۔ اب اس طرح تقسیم کر دی جائے۔ جو درج بالا ہے۔ ۲۸۰ سہام کرے۔

۴۔ یہ طریقہ تملیک کا کچھ نہیں۔ تملیک کے معنی ہیں مالک بنا دینا۔ جب تک اس کو مالک نہ بنایا جائے، تملیک نہ ہوگی۔ اور مالک بنانا یہ ہے کہ اس کو ہر اختیار حاصل ہو کہ خواہ خود رکھے یا کسی عزیز، دوست یا کسی غیر کو دیدے۔ یا مدرسہ میں دیدے۔ پہلے زمانے میں نیتیں صاف ہوتی تھیں یہ تملیک، تملیک بن جاتی تھی اب تو یہ توکیل (وکیل بنانا) ہوتی جیسے کسی کو رقم دے کر کہے کہ مدرسہ میں دے آؤ، وہ وکیل ہوتا ہے۔ تو یہ وکیل بنانا ہے۔ مالک بنانا نہیں ہے۔ مگر دین کا کام بھی ضروری ہے۔ حفاظتِ دین فرض ہے اور لوگ سوائے زکوٰۃ، عشر، نذر، فطرہ، قربانی کی کھال کے قیمت کے کچھ نہیں دیتے اور یہ سب فرض و واجب بغیر تملیک کے ادا نہیں ہوتے۔ اس لئے تملیک کی شکل اس طرح کی جائے جو حضرت تھانویؒ کی بتائی ہوئی ہے کہ مصرف سے کہا جائے کہ کہیں سے ہزار روپیہ قرض لاکر مدرسہ یا مسجد میں دے دو کار ثواب ہے تم کو ثواب ملے گا اور قرض ادا کرنے کی ہم کوشش کریں گے۔ بے فکر رہو۔ وہ قرض لاکر دیدے تو وہ نفل ہوگا۔ ہر خرچ میں مسجد و مدرسہ کے لگ سکتا ہے۔ اور اب وہ مقروض ہے۔ بقدر قرض اس کو زکوٰۃ ایک دم دے سکتے ہیں۔ اب وہ مالک ہوگا چاہے قرض والے کو دے چاہے اس سے معاف کرالے یا قسطیں کرا کے خود کام میں لگائے یا کسی کو دیدے، اب معاملہ اس کا اور قرض والے کا ہوگا۔ یہ طریقہ اس سے بہتر ہے مگر ہے، حیلہ ہی جو دینی ضرورت کی بناء پر درست ہے دنیوی میں نہیں۔

(دستخط حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی
۳ ذی الحجہ ۱۳۵۷ ہجری
(مُہر) مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن فیروز پور روڈ لاہور)

مولانا عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیئر پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا